ماہنامہ
جنوری 2023ء
طلوعِ اسلام
لاہور
اشاعت کا اسی واں سال

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (الحدیث)

حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے



علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ



تحریکِ طلوعِ اسلام

کنونشن 2022ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذہب اور دینِ اسلام کا تقابلی جائزہ

یورپ نے غالباً مانی کے عقیدے سے روح کو مادہ کی ثنویت کا خیال اخذ کیا اور بلاتنقید اسے قبول کر لیا۔ اسی نظریہ کی بنیاد پر انہوں نے مذہب (Religion) اور سیاست (State) کی ثنویت کا تصور پیش کیا۔ قرآنِ کریم میں مذہب کا لفظ ہی کہیں نہیں آیا۔ اس لئے اسلام کو مذہب نہیں بلکہ قرآن کے دیئے ہوئے دین کے نام سے پکارنا چاہئے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (3:19)۔

مذہب	دینِ اسلام
1- مذہب، خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق اور داخلی تجربہ کا نام ہے۔	دین اجتماعی نظامِ زندگی اور خارجی حقیقت ہے۔
2- مذہب میں ہر فرد اپنے طور پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کا خدا کے ساتھ رشتہ قائم ہو گیا ہے۔	دین میں معاشرہ کا انداز اور آئین بتا سکتے ہیں کہ وہ قوانین خداوندی کے مطابق متشکل ہوا ہے یا نہیں۔
3- مذہب میں ہر فرد کا منتہیٰ اپنی اپنی نجات ہوتا ہے۔	دین کا مقصود عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود ہوتا ہے۔
4- مذہب میں کوئی خارجی معیار ایسا نہیں ہوتا جس سے پرکھا جا سکے کہ انسان کے اعمال صحیح نتائج پیدا کر رہے ہیں یا نہیں۔	دین میں اجتماعی زندگی کے نتائج ساتھ کے ساتھ بتاتے چلے جاتے ہیں کہ ملت صحیح راستے پر چل رہی ہے یا نہیں۔
5- مذہب انسان کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیتا ہے اور اس میں ہر فرقہ اپنے آپ کو حق پر سمجھ کر خوش ہوتا ہے۔	دین میں تفرقہ کو شرک کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ پوری نوعِ انسانی سے مخاطب اور اس کا رب، رب العالمین اور رسول رحمۃ للعالمین کا مقام رکھتے ہیں۔
6- مذہب عوام کے جذبات کے پیچھے چلتا ہے اور ان کی تسکین کا سامان فراہم کئے چلا جاتا ہے۔ اس لئے اس کی تعلیم یہ ہے۔ زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز	دین، انہیں حقائق کے پیچھے چلاتا ہے اور ان کے سطحی جذبات کی تسکین کی بجائے ان پر قابو پانے کی تعلیم یوں دیتا ہے۔ زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز
7- مذہب انسان کے دل میں ہر وقت خوف پیدا کرتا رہتا ہے اور اپنی ہر بات ڈر سے منواتا ہے۔	دین خوف کو شرک قرار دیتا ہے اور انسان کے دل کو جرأت اور بے باکی کا مسکن بناتا ہے۔

بقیہ صفحہ نمبر 58 پر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور

جنوری 2023ء

جلد 76 | شمارہ نمبر 1

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
سالانہ کنونشن طلوعِ اسلام 2022ء	ادارہ	4
میرا پیام	پرویز علیہ الرحمہ	6
پاکستان کے سلگتے مسائل اور قرآن	خورشید انور، سوات	23
تصویری جھلکیاں	ادارہ	26
نظامِ ربوبیت	یاسر صدیقی، لاہور	37
اظہارِ خیال	خالد بشیر فاروقی، لاہور	41
تصنیف، دو قومی قرآنی نظریہ	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	43

چیئرمین: خورشید انور

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر اعجاز رسول
اقبال ادریس ایڈووکیٹ

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِتعاون: 50 روپے فی پرچہ
پاکستان: 600 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 1000 روپے سالانہ

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان)
Phone: 042-35714546
Cell: +92 310-4800818
idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

Bank Account Idara Tolu-e-Islam
National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulbarg Lahore

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672

For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ناشر: عرفان راٹھور اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا!
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت، پادشاہی، علم اشیا کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں، فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں
تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیّت ہے
حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
دلِ گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بیتابے

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سالانہ کنونشن طلوعِ اسلام

(منعقدہ 10، 11 دسمبر 2022ء)

تحریکِ طلوعِ اسلام کا سالانہ کنونشن 2022ء دو روزہ 10 دسمبر بروز ہفتہ اور 11 دسمبر بروز اتوار منعقد ہوا۔ احبابِ قرآنی قافلہ در قافلہ جمعہ کے روز ہی سے پہنچنا شروع ہو گئے۔ 10 دسمبر 2022ء بروز ہفتہ صبح 10 بجے جنرل کونسل کا اجلاس شروع ہوا' جو کہ تقریباً 1:30 بجے تک جاری رہا اس دوران نیچے ہال میں اراکینِ بزم ہائے طلوعِ اسلام کے لئے LED پر پرویز صاحب کا خطاب ''میرا پیام'' چلتا رہا۔ اجلاس کے منٹس اراکین جنرل کونسل کو ارسال کر دیئے جائیں گے۔ بعد میں تمام احباب نے باہم مل کر لنچ کیا اور ایک دوسرے سے محوِ گفتگو رہے۔

نمازِ ظہر ادا کرنے کے بعد دوسرا سیشن شروع ہوا۔ میزبانی محمد عمر صاحب نے کی۔ تلاوتِ قرآن اور مفہوم القرآن کے بعد محترم عاطف طفیل صاحب اور جعفر حسین صاحب نے ایک گھنٹہ سے زیادہ پر مشتمل ایک سیشن کیا جس میں Swot Analysis کے تحت ادارہ طلوعِ اسلام کی Strengths, Weaknesses، Opportunities اور Threats پر بات کی گئی۔ عاطف طفیل صاحب نے بہت خوبصورتی سے عالمانہ سوالات کئے جس کے محترم جعفر حسین صاحب نے بہت مفصل جوابات دیے۔ بعد میں سوالات و جوابات کا دور بھی چلا جو کہ کافی دلچسپ رہا۔

ان کے بعد محترم عابد حسین صاحب نے سوشل میڈیا اور آئی ٹی کے شعبہ میں طلوعِ اسلام کے لٹریچر کی اشاعت کے حوالہ سے تفصیل کے ساتھ پریزنٹیشن پیش کی۔ یہ پریزنٹیشن ادارہ کے یوٹیوب چینل پر اپ لوڈ کر دی گئی ہے۔

نماز مغرب اور چائے کے وقفہ کے بعد ریاض الحسن صاحب نے سلیم کے نام خطوط میں سے ایک خط سے ماخوذ گفتگو کی۔ ان کے بعد محترم ڈاکٹر انعام الحق صاحب نے اپنا ایک مقالہ پیش کیا جس میں انہوں نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ کی

اشاعت کی راہ میں رکاوٹوں کا تفصیل سے ذکر کیا۔ بعدازاں ڈاکٹر اعجاز رسول صاحب کا ایک مختصر مگر مؤثر لیکچر جو کہ پہلے سے ریکارڈ شدہ تھا LED پر چلایا گیا جسے حاضرینِ محفل نے بہت توجہ اور دلچسپی سے سنا۔ یہ گفتگو بھی یوٹیوب چینل پر اپ لوڈ کر دی گئی ہے۔

یہ سیشن چیئرمین ادارہ کے اختتامی کلمات کے بعد ختم ہوا اور حاضرین کو دعوتِ طعام دی گئی۔

11 دسمبر بروز اتوار صبح 10 بجے سیمینار کا آغاز رائل گورمے مرکی میں ہوا۔ محترم محمد عمر صاحب نے فضل ودود صاحب کو تلاوتِ قرآن کی دعوت دے کر سیمینار کا آغاز کیا۔ پھر محمد اویس ایڈووکیٹ نے نظم ''قرآن کی فریاد'' ترنم کے ساتھ پڑھی۔

اس کے بعد محترم چیئرمین ادارہ طلوعِ اسلام خورشید انور صاحب نے اپنے استقبالیہ کلمات میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے حاضرین کو خوش آمدید کہا اور آخر میں تحریکِ طلوعِ اسلام کے لئے ایک قرارداد پیش کی جس کو تمام حاضرین نے منظور کیا۔ چیئرمین صاحب کے استقبالیہ کلمات آپ اس شمارہ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

ان کے بعد سبیل شامین صاحب، ڈاکٹر صالحہ نغمی صاحبہ، عقیل حیدر صاحب، خالد فاروقی صاحب، ڈاکٹر صدیق اکبر صاحب، یاسر صدیقی صاحب اور جواد احمد صاحب نے اپنے اپنے افکار سے حاضرین کو مستفید کیا۔ آخر میں محترم ڈاکٹر انعام الحق صاحب نے صدارتی کلمات میں سب مقررین کے خیالات پر مختصر مختصر تبصرہ کیا۔

ان کے بعد محترم محمد عمر صاحب نے حاضرین کو دعوتِ طعام دیتے ہوئے اس سیمینار کے اختتام کا اعلان کیا۔ بعدازاں سب احباب لذتِ کام ودیہن کے ساتھ ساتھ باہمی گفتگو میں بھی مصروف رہے گیٹ کے اندر اسٹالز پر طلوعِ اسلام اور پرویز علیہ الرحمہ کی تصویر وتحریر پر مشتمل کیلنڈر، کی چین، مگ، بال پین بھی دستیاب تھے۔

اس طرح سے یہ دوروزہ کنونشن اختتام پذیر ہوا۔

اگلے صفحات میں آپ ان سیمینارز میں پیش کئے گئے مقالات اور تصویری جھلکیاں دیکھ سکیں گے۔

تمام تقاریر ادارہ کے درجِ ذیل یوٹیوب چینل اور فیس بک پیج پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں جو کہ ایک ایک کر کے اَپ لوڈ کی جارہی ہیں۔

YOUTUBE: https://www.youtube.com/idaratolueislam
FACEBOOK: https://www.facebook.com/TalueIslam

ضرورتِ رشتہ

بیٹا عمر:22 سال، تعلیم آئی سی ایس، رہائش لاہور، گیمنگ سافٹ ویئر کمپنی میں کام کر رہا ہے۔

جس کے لئے موزوں رشتہ کی ضرورت ہے۔ درجِ ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔ رابطہ نمبر:0321-4060880

پرویز علیہ الرحمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

میرا پیام

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے — عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے

(پرویز صاحب کی تقریر جس سے اُنہوں نے طلوعِ اسلام کنونشن 1966ء سے خطاب کیا تھا۔ یہ تقریر اب دوبارہ طلوعِ اسلام کنونشن 2022ء کے موقعہ پر احباب قرآنی کی سماعتوں کی نذر کی گئی)

مئے من از تنک جاماں نگہدار — شرابِ پختہ از خاماں نگہدار

شرر از نیستانے دُور تر بہ — بخاصاں بخش و از عاماں نگہدار

ترجمہ: میری شراب کو تھوڑے پیالے پینے والوں (کم ظرفوں) سے بچا کر رکھ' پختہ شراب کو خام یعنی نااہل لوگوں سے بچا کر رکھ۔ شراب سے مراد شاعری میں دیا گیا پیغام ہے۔

چنگاری کا نرسل (یا بانس) کے جنگل سے زیادہ دور رہنا ہی بہتر ہے۔ (میری شراب) خاص لوگوں کو عطا کر اور عام لوگوں سے بچا کر رکھ۔

برادرانِ عزیز!۔۔۔السلام علیکم

جیسا کہ آپ احباب کو معلوم ہے' میں گذشتہ پچیس تیس برس سے مسلسل قوم کے نام ایک پیغام دیئے چلا آ رہا ہوں۔ جوں جوں اس پیغامِ حیات آور کے اثرات فضا کی پہنائیوں میں پھیلتے اور دلوں کی گہرائیوں میں اترتے جا رہے ہیں۔ مفاد پرست طبقات کی طرف سے اس کی مخالفت بڑھتی جا رہی ہے چونکہ مخالفین کے پاس' اس پیغام کی تردید کے لئے نہ کوئی سند ہے نہ دلیل' اس لئے وہ کرتے یہ ہیں کہ پہلے اسے نہایت غلط انداز سے عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں اور پھر ان غلط بنیادوں پر اپنی مخالفت کی عمارت استوار کرتے چلے جاتے ہیں ___ یہ منکرِ خدا ہے' یہ منکرِ حدیث ہے۔ یہ ایک نیا مذہب پیش کر رہا ہے۔ یہ تین نمازیں اور نو دن کے روزے بتاتا ہے' یہ اردو زبان میں نماز پڑھنے کی تلقین کرتا ہے۔ یہ کسی دن نبوّت کا دعویٰ کرے گا ___ یہ' اور اس قسم کے اور بیسیوں الزامات نت نئے دن تراشے اور میری طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ چونکہ میرا پیغام'

طلوعِ اسلام کے ہزار ہا صفحات' اور میری تصانیف کے بیشمار اوراق' میں بکھرا پڑا ہے اور ہر شخص سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی' کہ وہ طلوعِ اسلام کی فائلوں اور میری کتابوں کی اوراق گردانی کر کے' اس پیغام کو اس کی حقیقی شکل میں اپنے سامنے لے آئے' اس لئے میں نے ضروری سمجھا ہے کہ اسے مختصر الفاظ میں یک جا بیان کر دیا جائے۔ تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ میں کیا کہتا ہوں' اور کیا چاہتا ہوں اور قدامت پرست طبقہ کی طرف سے میرے خلاف جو الزامات عائد کئے جاتے ہیں۔ ان کی اصل وحقیقت کیا ہے جو کچھ میں کہتا ہوں۔ اس کی تفصیل کتنی ہی طول وطویل کیوں نہ ہو اس کا نقطۂ ماسکہ یہ ہے کہ:

(1) اسلام' خدا کی طرف سے دیا ہوا' آخری اور مکمل دین' یعنی نظامِ حیات ہے۔

(2) اس دین کو نبی اکرم ﷺ نے عملاً متشکل کر کے' دنیا کو دکھا دیا کہ اس زمین پر خدا کی حکومت کا تختِ اجلال کس طرح بچھتا ہے اور اس کے نتائج نوعِ انسان کے لئے کس قدر انسانیت ساز خوش گواریوں اور سرفرازیوں کے حامل ہوتے ہیں۔

(3) بعد کے آنے والے مسلمانوں نے اس نظام کو آگے نہ چلایا اور ہم خدا کی راہ کو چھوڑ کر' انسانوں کے تراشیدہ غلط راستوں پر پڑ گئے جس کا نتیجہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

(4) میری دعوت یہ ہے کہ ہم' ان غلط راستوں کو چھوڑ کر' پھر اُسی نظام کو متشکل کر لیں۔ اس کے لئے بنیادی طور پر کرنے کا کام یہ ہے کہ اس نظام کے ضابطۂ حیات' یعنی قرآنِ کریم' کو زندگی کے ہر معاملہ میں غلط اور صحیح' اور حق و باطل کا معیار قرار دیا جائے۔ جو کچھ اس کے مطابق ہو اُسے صحیح تسلیم کیا جائے اور جو اس کے خلاف ہو اُسے مسترد کر دیا جائے۔

آپ کہیں گے کہ اس میں کون سی ایسی بات ہے جو خلافِ اسلام ہے' اور جس کی مخالفت میں اس قدر طوفان برپا کیا جا رہا ہے۔ اس میں خلافِ اسلام تو کوئی بات نہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ قرآنی نظام میں مفاد پرست گروہوں کا وجود باقی نہیں رہتا ___ اس میں کسی فرعون' ہامان یا قارون کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی ___ اس لئے ان گروہوں کی طرف سے اس دعوت کی مخالفت ناگزیر ہے۔ لیکن ان لوگوں میں اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ برملا یہ کہہ سکیں کہ ہم اس کی مخالفت اس لئے کرتے ہیں کہ اس سے ہمارے مفادات پر زد پڑتی ہے۔ اس لئے یہ ''اسلام خطرے میں ہے'' کی گھنٹی بجا کر عوم کو مشتعل کرتے رہتے ہیں اور یوں انہیں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے آلۂ کار بناتے ہیں۔ ہماری پوری تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جونہی کسی نے ان کی مفاد پرستی اور ابلہ فریبی کے خلاف آواز بلند کی' انہوں نے کفر والحاد کے فتویٰ لگانے شروع کر دیئے۔ یہی کچھ پہلے ہوتا رہا ہے اور یہی کچھ آج ہو رہا ہے۔ ملک کے سنجیدہ' دانشور طبقہ سے میری شروع سے یہ گزارش رہی ہے اور آج میں پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ جو کچھ میں کہتا ہوں آپ اسے خود' قرآنِ کریم کی روشنی میں پرکھ کر دیکھیں اور فیصلہ کریں کہ وہ اسلام کے خلاف ہے یا اس کے مطابق۔

اب آپ دیکھئے کہ میرے پیغام کی تفصیل کیا ہے۔

مولانا آزاد کی تفسیر:

میں ہنوز، قرآنِ کریم کو غور وفکر کے ساتھ سمجھنے کے ابتدائی مراحل میں سے گزر رہا تھا کہ 1932ء میں مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) کے تفسیری ترجمہ ــــ ترجمانِ القرآن ــــ کی پہلی جلد شائع ہوئی۔ اس میں انہوں نے، سورۃ فاتحہ کی تفسیر کے سلسلہ میں اپنے اس نظریہ کی تبلیغ بڑی صراحت سے کی تھی کہ عالمگیر سچائیاں دنیا کے ہر مذہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔ اس لئے تمام مذاہب سچے ہیں۔ لیکن پیروانِ مذہب سچائی سے منحرف ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سرِ نو اختیار کرلیں تو میرا کام پورا ہوگا ــــ یہ فراموش کردہ سچائی کیا ہے؟ ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی۔ یہ کسی ایک گروہ کی میراث نہیں کہ اُس کے سوا کسی انسان کو نہ ملی ہو۔ یہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے۔

میری بصیرتِ قرآن کے مطابق، یہ نظریہ، اسلام کو اس کی جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔ یہ برہمو سماج کی تعلیم تو ہوسکتی ہے، قرآن کی نہیں۔ اس لئے میں نے اس کی تردید میں ایک تفصیلی مقالہ لکھا، جو ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) کی جُون 1933ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ اس میں مَیں نے کہا تھا کہ یہ ٹھیک ہے کہ خدا کے رسول علیہم السلام، دنیا کی ہر قوم کی طرف آئے تھے۔ اور وہ اصولی طور پر ایک ہی دین لائے تھے۔ لیکن وہ تعلیم اب دنیا کی کسی قوم کے پاس اپنی اصل شکل میں موجود نہیں۔ وہ صرف قرآنِ کریم کے اندر محفوظ ہے۔ اس لئے اب خدا کی طرف سے سچا دین وہی ہے جو اس کتاب کے اندر ہے۔ اب انسانوں کو نجات وسعادت کے لئے رسالت محمدیہ ﷺ پر ایمان لانا، اور قرآن کریم کی طرف سے پیش کردہ دین کو خدا کا واحد، سچا دین تسلیم کرنا ضروری ہے۔ جو اس دین کو اپنا نصب العینِ حیات قرار نہیں دیتا۔ نہ اس کی خدا پرستی، خدا پرستی ہے۔ نہ نیک عملی درحقیقت نیک عملی۔

مولانا آزاد کی شہرت اس زمانے میں ثریا پہنچی ہوئی تھی۔ وہ قلم اور زبان کے بادشاہ، اور علم کے سمندر سمجھے جاتے تھے۔ علماء کی صف میں وہ امام الہند قرار دیئے جاتے تھے۔ ان کی پیش کردہ تفسیر کی مخالفت، اور وہ بھی ایک ''غیر مولوی'' کی طرف سے، کسی کے حیطۂ تصور میں بھی نہیں آسکتی تھی۔ اس لئے ابتداء ہر طرف سے میری مخالفت ہوئی۔ لیکن رفتہ رفتہ جب ہنگامہ خیزی کے بادل چھٹے تو، اور تو اور خود مولانا آزاد کے حلقۂ ارادت کے بعض نامور افراد تک نے بھی میری گزارشات کو درخورِ غور وفکر سمجھا اور مولانا آزاد کے پیش کردہ تصور کو غلط قرار دے دیا۔

دین اور مذہب:

جب میں نے مولانا آزاد کے پیش کردہ نظریہ کی لِم پر غور کیا ــــ جو بظاہر بڑا خوش آئند اور مذہبی رواداری کا آئینہ دار نظر آتا ہے ــــ تو اس کی یہ وجہ سامنے آئی۔ کہ اسلام، جو خدا کی طرف سے عطا کردہ دین ہے؛ مذہب کی سطح پر آچکا ہے اور مذہب کی سطح پر مختلف مذاہب میں واقع کوئی فرق نہیں رہتا ــــ دین، زندگی کا عملی نظام ہے اور نظام ایک ہی سچا ہوسکتا ہے۔ اس نظام

میں خدا پرستی سے مقصود ہوتا ہے' خدا کے قوانین کو دنیا میں عملاً نافذ کرنا اور نیک عملی کے معنی ہوتے ہیں ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنا ___ اس کے برعکس' مذہب نام ہوتا ہے خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق کا جو ہر قسم کے نظام میں قائم کیا اور باقی رکھا جاسکتا ہے۔ یہ تعلق' انسان کے اپنے ذہنی تصور سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ اس میں خدا پرستی سے اتنا ہی مقصود ہوتا ہے ___ باقی رہی نیک عملی' سو وہ چند اخلاقی مواعظ کا نام ہوتی ہے جو دنیا میں قریب قریب ہر جگہ یکساں پائے جاتے ہیں۔ جھوٹ نہ بولو' چوری نہ کرو' کسی کو ستاؤ نہیں وغیرہ وغیرہ ___ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام خدا کی طرف سے دین لائے لیکن' ان کے بعد' ان کے پیرو' اس دین کو مسخ کر کے' مذہب کی سطح پر لے آئے۔ دنیا کے مذاہب خدا کی طرف سے دیئے ہوئے دین کی مسخ شدہ صورتیں ہیں۔ یہ دین' اپنی آخری اور مکمل شکل میں' نبی اکرم ﷺ کی وساطت سے دنیا کو ملا۔ حضور ﷺ نے اسے عملاً متشکل کر کے دنیا کو دکھا دیا کہ اس کے نتائج عالمِ انسانیت کے لئے کس قدر خوش گوار ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد' اس دین کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوا جو اس سے پہلے دیگر اقوام کے یہاں ہوا تھا۔ اس کے نام لیواؤں نے رفتہ رفتہ اسے بھی مذہب کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ جس کی وجہ سے یہ چند بے جان عقائد اور چند بے روح رسوم کا مجموعہ بن کر رہ گیا۔ اسی مذہب کا نام اب اسلام ہے۔ لیکن ہم میں اور دیگر اہلِ مذاہب میں فرق یہ ہے کہ اُن میں سے کسی کے پاس خدا کی کتاب' جس میں دین دیا گیا تھا' اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں اور ہمارے پاس قرآنِ کریم غیر محرف شکل میں محفوظ ہے۔ لہٰذا' اگر وہ لوگ چاہیں بھی کہ وہ اپنے مذہب کو پھر سے دین میں تبدیل کر لیں تو ان کے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں۔ لیکن ہمارے لئے یہ ممکن ہے۔ ہم قرآنِ کریم کی رُو سے' خدا کے حقیقی دین کو پھر سے متشکل کر سکتے ہیں۔

بنیادی نقطہ:

میری دعوت کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ ہم اپنے موجودہ مذہب کی جگہ' اللہ کی طرف سے عطا کردہ دین کو دوبارہ قائم کریں تاکہ' سب سے پہلے' ہمارے اپنے معاشرہ کا وہی نقشہ ہو جائے جو عہد مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (48:29) میں تھا۔ اور اس کے بعد' ہم اس کے انسانیت ساز نتائج کو سامنے لا کر' اس دین (نظامِ زندگی) کو باقی دنیا میں بھی عام کریں۔

ختمِ نبوت:

قرآنِ کریم کو دین کا مکمل ضابطہ ماننے' اور اس کے اپنی اصلی شکل میں محفوظ رہنے کا فطری اور لازمی نتیجہ ختمِ نبوت کا عقیدہ ہے۔ نبوت کے معنی ہیں خدا کی طرف سے راہنمائی پانا۔ یہی راہنمائی دین کا ضابطہ کہلاتی ہے ظاہر ہے کہ جب دین کا ضابطہ ___ جو کسی خاص زمانہ اور خاص مقام کے لئے نہیں' بلکہ عالمگیر انسانیت کے لئے ابدی ضابطۂ حیات ہے ___ ہر طرح سے مکمل ہو گیا اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا۔ (جو ایک تاریخی واقعہ کی حیثیت سے دنیا کے سامنے ہے) تو پھر نبوت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی ___ ابدی عالمگیر' مکمل اور محفوظ راہنمائی کے بعد خدا کی طرف سے کچھ اور دیئے جانے کا

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا___ لہٰذا اسلام کو ایک مکمل ضابطۂ حیات کے طور پر پیش کرنے کے بعد لازمی طور پر اگلی کڑی یعنی ختمِ نبوت کی حقیقت اور اہمیت کو واضح اور اجاگر کرنا تھا اور یہ میری دعوت کا دوسرا نقطہ تھا۔ اُس زمانے میں ریاست بہاولپور کی ایک عدالت میں، احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان ایک مقدمہ چل رہا تھا جس نے ملک میں خاصی شہرت حاصل کر رکھی تھی۔ اس سلسلہ میں بحث کا نقطۂ ماسکہ ختمِ نبوت کا سوال تھا۔ مقدمہ کافی عرصہ تک چلتا رہا۔ بالآخر جج نے اپنا فیصلہ سنایا، اور اس میں، ختم نبوت سے متعلق، میرے ایک مقالہ کا حوالہ دیتے ہوئے، اس نے لکھا کہ مقدمہ کے سلسلہ میں اس مسئلہ کو جس قدر سلجھانے کی کوشش کی جاتی تھی یہ اسی قدر الجھتا چلا جاتا تھا، تا آنکہ (محولہ بالا) مقالہ میری نظر سے گزرا۔ اور اس نے اس مسئلہ کو اس طرح صاف کر دیا کہ اس بارے میں میرے دل میں کوئی شبہ باقی نہ رہا کہ ختمِ نبوت واقعی اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ میں نے اس مقالہ میں، اس موضوع پر، خالص قرآنی نقطۂ نگاہ سے بحث کی تھی جس کے بعد اس میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہ جاتا۔

میں نے جب اس مسئلہ پر قرآنِ کریم کی روشنی میں غور کیا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ ہم بابِ نبوت کے بند کرنے کے عقیدہ کے تو اس شدومد سے قائل ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی، ہم ان عقائد اور نظریات پر بھی اسی شدت سے قائم ہیں جو اس دروازے کو نہایت آسانی سے کھول دیتے ہیں بلکہ یوں کہئے کہ بند ہونے ہی نہیں دیتے۔ یہ بات ذرا غور سے سمجھنے کی ہے۔

جیسا کہ میں نے ابھی ابھی کہا ہے، نبوت کے معنی ہیں خدا کی طرف سے وحی کا ملنا۔ وحی وہ علم ہے جو نبی کو خدا کی طرف سے براہ راست ملتا ہے۔ وحی کے علاوہ، ہر علم، انسان کی اپنی محنت وکاوش، غور وفکر، عقل وبصیرت، تجربہ ومشاہدہ وغیرہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن وحی میں ان امور کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہ نبی کو خدا کی طرف سے، براہ راست ملتی ہے۔ ختمِ نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کسی انسان کو اب خدا کی طرف سے ایسا علم نہیں مل سکتا۔ یہ علم، قرآنِ کریم کے اندر آچکا ہے۔ اس کے بعد، اس کا دروازہ بند ہو گیا۔ اب انسانی علم کے ذرائع دو ہی ہیں___ قرآنِ کریم اور عقلِ انسانی۔

کشف والہام:

لیکن ہمارے ہاں عقیدہ یہ ہے کہ صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کو خدا کی طرف سے براہ راست علم حاصل ہوتا ہے جس میں ان کی اپنی عقل وفراست کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ آپ نے دیکھا کہ حقیقت کے اعتبار سے یہ بعینہٖ وہی چیز ہے جسے وحی کہا جاتا ہے لیکن انہوں نے اس کا صرف نام بدل دیا ہے۔ یہ اسے وحی کی بجائے الہام یا کشف کہتے ہیں۔ لیکن نام بدل دینے سے کسی شے کی حقیقت اور ماہیت تو نہیں بدل جاتی۔ خدا کی طرف سے براہ راست علم حاصل ہونے کا نام وحی رکھ لیجئے یا الہام، بات ایک ہی ہے۔ اور یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، قیاس پر مبنی نہیں۔ ان حضرات کا دعویٰ یہی ہے۔ چنانچہ سرخیلِ طائفۂ صوفیاء، شیخ اکبر، محی الدین ابن عربی اپنی مشہور کتاب فصوص الحکم میں لکھتے ہیں:

''جس مقام سے نبی لیتے تھے اُسی مقام سے انسان کامل، صاحب الزمان، غوث قطب، لیتے ہیں۔۔۔

اربابِ شریعت تو وہ ہیں جو قرآن وحدیث سے حکم دیتے ہیں۔۔۔مگر اس کے برعکس ہم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اِس چیز کو اپنے کشف والہام کے ذریعے خود اللہ تعالیٰ سے لیتے ہیں۔۔۔پس ایک طور پر مادۂ کشف والہام اور مادۂ وحیٔ رسول ایک ہے۔صاحبِ کشف اللہ تعالیٰ سے لینے کے طریقے سے واقف ہونے کی وجہ سے خاتم النبیین سے موافق ہے۔۔۔ان کا اللہ تعالیٰ سے لینا عین رسول اللہ کا لینا ہے۔۔۔خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو وہی احکام شرعیہ اور علوم دیتے ہیں جو خاص کر کے انبیاء کو دیئے گئے تھے''۔

تصوف:

آپ نے غور فرمایا: برادرانِ عزیز!___ کہ اس عقیدہ کے بعد' وحیٔ رسول اور ان حضرات کے الہام اور کشف میں کوئی بھی فرق رہ جاتا ہے؟ یہ عقیدہ' تصوف کی اصل وبنیاد ہے۔صوفیاء کے مختلف خانوادوں میں' فروعات کا جو فرق ہو سو ہو' لیکن یہ بنیادی عقیدہ ہر ایک کے ہاں پایا جاتا ہے۔لہٰذا' تصوف' اسلام میں اُس مہر کو توڑنے کے لئے لایا گیا تھا جس نے نبوت کے دروازے کو بند کیا تھا۔یہ مذہب کی سطح پر مسلمانوں میں آسکتا تھا۔دین میں اس قسم کے عقائد کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی۔

وحدت الوجود:

(دو ایک خانوادوں کو چھوڑ کر) تصوّف کا دوسرا بنیادی عقیدہ وحدت الوجود ہے۔اس عقیدہ کی رُو سے یہ مانا جاتا ہے کہ کائنات میں جو کچھ نظر آتا ہے___ انسان' حیوان' درخت' پہاڑ وغیرہ___ یہ سب خدا ہی ہے جس نے مختلف رُوپ دھار رکھے ہیں۔اس عقیدہ کا لازمی نتیجہ وہ ہے جسے ابن عربی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے (جنہیں میں ہزار ہزار توبہ کے بعد نقل کرنے کی جرأت کرتا ہوں) فصوص الحکم میں لکھا ہے۔

اس (فرعون) کو ایک طرح سے حق تھا کہ کہے___ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (79:24)___ کیونکہ فرعون ذاتِ حق سے جدا نہ تھا اگرچہ اس کی صورت فرعون کی تھی۔

اتنا ہی نہیں' بلکہ وہ تو اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ' معاذ اللہ' صد ہزار بار معاذ اللہ)

در مذہبِ عاشقانِ یک رنگ ابلیس۔۔۔ و است یک سنگ

(حدیقۂ سنائی)

رومیؒ کہتا ہے:

می گفت در بیاباں رندِ دہن دریدہ! صوفی خدا ندارد' اُو نیست آفریدہ

ان کے نزدیک' لا الٰہ الا اللہ کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں جس جس چیز کو لوگوں نے اپنا معبود بنا رکھا ہے وہ سب خدا ہی ہیں۔اس لئے ان کے ہاں عقیدہ یہ ہے کہ:

کفر و دین است در رہت پویاں وحدہٗ لا شریک لہٗ گویاں

اور پنجابی زبان میں تو آپ نے اس قسم کی کافیاں اکثر سنی ہوں گی کہ:

آپے دِھیاں' تے آپے پُتر' آپے بنیا ماپے　　آپے مارے' تے آپے پٹے' آپے کرے سیاپے!

یعنی_____

خود کوزہ وخود کوزہ گر وخود گل کوزہ' خود رند وسبوکش　　خود برسرآں کوزہ خریدار برآمد' بشکست وروں شد

یہ حضرات جو ہمارے ہاں بڑے بڑے صوفیائے کرام اور ولی اللہ کی حیثیت سے متعارف ہیں۔ ان میں سے بیشتر کا یہی عقیدہ تھا (اور اب بھی وہ یہی عقیدہ رکھتے ہیں)

اسی عقیدہ کی ذرا سی بدلی ہوئی شکل یہ ہے کہ انسانی روح' خدا کی روح کا ایک حصہ ہے۔ یہ رُوح مادہ کی دلدل میں پھنس چکی ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ کسی طرح اس روح کو مادہ کی دلدل سے نکال دے۔ تاکہ یہ جزو اپنی اصل (روح خداوندی) کے ساتھ جا کر مل جائے۔ رُوح کی اسی جدائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا رومؒ اپنی مشہور مثنوی کا آغاز اس طرح کرتے ہیں کہ

بشنو از نے چوں حکایت مے کند　　از جُدائی ہا شکایت مے کند

اور غالب تگ وتازِ زندگی کا منتہیٰ یہ بتاتا ہے کہ:

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہوجانا

اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان دنیا سے نفرت کرے، خانقاہیت کی زندگی اختیار کرے۔ جوں جوں انسان اس طریقِ خانقاہیت میں پختہ ہوجائے گا۔ خدا کا مقرب بنتا جائے گا۔ افراد اور اقوام کی تقدیر اس کے ہاتھ میں ہوگی۔ وہ اپنی زندگی میں ہی نہیں' مرنے کے بعد بھی لوگوں کی قسمت کے فیصلے کرے گا۔

اس عقیدہ نے یونان میں جنم لیا۔ ایران کے آتشکدوں میں اُسے پختگی حاصل ہوئی۔ ہندوستان میں آکر اس نے ویدانت کے طلسماتی فلسفہ کی شکل اختیار کی اور پھر مسلمانوں میں عین دین ہی نہیں بلکہ مغز دین بن گیا۔ چنانچہ مولانا روم لکھتے ہیں کہ:

ماز قرآن مغز را برداشتیم　　استخواں پیشِ سگاں انداختیم!

یہ ہے وہ تصوف' جسے عین اسلام ہی نہیں' بلکہ مغزِ اسلام کہا جاتا ہے۔ اور یہ ساری دنیا کے مسلمانوں میں عام ہے اور ہر ایک کے ذہن پر مستولی۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کے وہ فرقے جو اپنے آپ کو متشدد طور پر بدعت کے خلاف اور متبع سنتِ رسول اللہؐ کہتے ہیں' وہ بھی کشف والہام کے قائل اور کرامات کے معتقد ہیں۔ بیعت لیتے ہیں اور وردو وظائف کی تعلیم دیتے ہیں۔ قرآنی آیات کے تعویذ لکھتے ہیں اور پانی دم کرکر کے مریدوں کو پلاتے ہیں۔

میرا پیغام یہ ہے کہ جب تک ہم میں تصوف باقی ہے' ہم دین کی سطح پر نہیں آسکتے۔ تصوف کا نام تک نہ قرآنِ کریم میں ملتا

ہے، نہ ہمارے ابتدائی لٹریچر میں کسی اور جگہ۔ یہ اقبال کے الفاظ میں اسلام کی سرزمین میں اجنبی پودا ہے۔

مامورین من اللہ:

ختمِ نبوت کا عملی مفہوم یہ تھا کہ اب کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکے گا کہ میں مامور من اللہ ہوں۔ یعنی مجھے خدا نے ایک خاص مقصد کے پورا کرنے کے لئے دنیا میں بھیجا ہے۔ خدا کی طرف سے مامور، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہوتے تھے۔ جب نبوّت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ تو مامورین من اللہ کی آمد بھی بند ہوگئی۔

لیکن جب اسلام، دین کی سطح سے گر کر مذہب کی سطح پر آ گیا، تو ہم میں یہ عقیدہ پیدا ہوگیا کہ مامور من اللہ وقتاً فوقتاً آتے رہیں گے۔ ان میں سے، مجددین کے متعلق یہ عقیدہ قائم کرلیا گیا کہ وہ ہر سو سال کے بعد آیا کریں گے۔ ان کے علاوہ، قیامت کے قریب، امام مہدی تشریف لائیں گے اور آسمان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ دین میں ان عقائد کی بھی گنجائش نہیں۔ قرآنِ کریم میں ان آنے والوں کا کوئی ذکر نہیں۔ مامورین من اللہ کا عقیدہ بھی ختمِ نبوت کے منافی اور دین کی نقیض ہے اور یہی میری پکار ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد، اب نہ کوئی نبی آ سکتا ہے، نہ کسی اور نام سے کوئی مامور من اللہ۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ؎

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

نبوت حضور ﷺ پر ختم ہوگئی اور دین قرآن میں مکمل ہوگیا۔ اللہ بس۔ باقی ہوس!

مذہبی فرقہ بندی:

خدا کی طرف سے جو دین ملا، وہ ایک تھا۔ اس دین کی بنیادوں پر، نبی اکرم ﷺ نے جو اُمت تیار کی وہ اُمتہ واحدہ تھی۔ اس اُمت کا ایک خدا، ایک رسول، ایک ضابطۂ زندگی، ایک نصب العینِ حیات، ایک مسلک اور ایک منہاج تھا۔ ان میں کوئی اختلاف نہ تھا، کوئی تفرقہ نہ تھا۔ اختلاف کو خدا نے عذاب قرار دیا ہے اور فرقہ بندی کو بہ نصِ صریح شرک بتایا ہے (30:31) اس لئے اس اُمت میں باہمی اختلاف کیسے پیدا ہوسکتا، اور فرقے کیسے وجود میں آسکتے تھے؟

لیکن جب دین، مذہب میں تبدیل ہوگیا تو اُمت کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی۔ اس میں سینکڑوں اختلافات نمودار ہوگئے ___ اور ان اختلافات کو رحمت کہہ کر پکارا گیا ___ ان میں متعدد فرقے پیدا ہوتے چلے گئے جن میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ تھا (اور ہے) کہ میں نجات یافتہ ہوں اور باقی سب گمراہ، فلہٰذا، جہنمی ہیں۔

لیکن سوال کسی ایک فرقے اور دوسرے فرقے کا نہیں۔ دین میں سرے سے فرقوں کا وجود ہو ہی نہیں سکتا۔ فرقے، مذہب میں باقی رہ سکتے ہیں دین میں نہیں۔ اس لئے جب قرآنِ کریم کا نظام قائم ہوگا تو اُس میں صرف اُمتِ مسلمہ ہوگی۔

اس اُمت میں فرقہ کوئی نہیں ہوگا۔

یہی میری دعوت ہے۔ میں بار بار اعلان کرتا رہتا ہوں کہ میرا تعلق کسی مذہبی فرقے سے نہیں اور نہ ہی میں نے کوئی نیا فرقہ بنایا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص فرقہ بندی کو (قرآنِ کریم کی نصِ صریح کے مطابق) شرک سمجھتا ہو، وہ خود کوئی فرقہ کیسے بنا سکتا ہے؟

دین اور دنیا کی ثنویت:

دین اس لئے دیا گیا تھا کہ انسان اپنے دنیاوی امور، قوانینِ خداوندی کے مطابق، سرانجام دے۔ یا اقبالؔ کے الفاظ میں، انسان دنیا کا ہر تالہ دین کی چابی سے کھولے۔ اس تعلیم کی رُو سے، دین اور دنیا اور مذہب اور سیاست میں ثنویت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جب دین، مذہب میں بدل جاتا ہے تو اس میں مذہبی امور اور دنیاوی امور، دو الگ الگ شعبوں میں بٹ جاتے ہیں۔ دنیاوی امور، اربابِ سیاست کے سپرد ہو جاتے ہیں اور انہیں مذہب سے تعلق نہیں رہتا۔ امورِ مذہبی، مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں آ جاتے ہیں اور امور دنیا سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ دونوں کے دائرے الگ الگ اور متمیز ہو جاتے ہیں۔ اس تصور کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت دو الگ الگ شعبے ہو جاتے ہیں۔ ''دنیاداروں'' کا آخرت میں کم حصہ قرار دیا جاتا ہے اور آخرت سنوارنے والے، دنیاوی مفاد سے محروم رہتے ہیں۔ یہ تصور، قرآن کریم کی تعلیم کے یکسر خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت، دونوں کا وجود مذہب کا پیدا کردہ ہے۔ دین میں نہ ملوکیت ہوتی ہے اور نہ مذہبی پیشوائیت ___ ملوکیت سے مراد وراثتی بادشاہت ہی نہیں۔ اس سے مقصد ہر وہ اندازِ حکومت ہے جس میں خدا کا قانون ___ جو اس کی کتاب کے اندر محفوظ ہے ___ نافذ نہ ہو۔ ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کا خاتمہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہمارے ہاں پھر سے دین کا نظام قائم ہو۔

نظامِ سرمایہ داری:

دین کے نظام کی غرض اور غایت یہ ہے کہ کوئی انسان نہ کسی دوسرے انسان کا محکوم ہو نہ محتاج، اس نظام کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی مہیا کرے۔ اور ہر فرد کو اپنی صلاحیتوں کی نمود اور اپنی ذات کی نشوونما کے لئے یکساں مواقع حاصل ہوں۔ یہ نظام، اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو نہیں سکتا جب تک رزق کے وسائل (یعنی ذرائع پیداوار) پر اس کا کنٹرول نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ جب ذرائع پیداوار انفرادی ملکیت میں رہنے کے بجائے، نظامِ خداوندی کی تحویل میں رہیں گے، تو معاشرہ میں سرمایہ داری کا تصور تک پیدا نہ ہوگا۔ ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کی طرح، دین اور سرمایہ داری، ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لیکن جب دین، مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے تو پھر، ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کے ساتھ، نظامِ سرمایہ داری بھی عین مطابق شریعت قرار پا جاتا ہے۔ اس شریعت کی رُو سے انبار در انبار دولت جمع کرنا، زمین کے لامحدود رقبوں کو ذاتی ملکیت میں لے لینا۔ بے حد و نہایت جائیدادیں کھڑی کرتے جانا سب جائز ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس میں سے خدا کے نام

پر کچھ پیسے الگ کر دیئے جائیں اور ثواب حاصل کرنے کے لئے انہیں خیرات کے طور پر غریبوں اور محتاجوں میں بانٹ دیا جائے۔ اس کے بعد خلقِ خدا پر کیا گزرتی ہے' اس سے ان دولت مندوں کو' از روئے شریعت کوئی واسطہ نہیں رہتا۔

اس قسم کا تصورِ معیشت' قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اُس کی رُو سے' معاشرہ کے ہر فرد کی بنیادی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنا، اور اس کی صلاحیتوں کی نشوونما اور ذات کی برومندی کے لئے سامانِ پرورش بہم پہنچانا ___ دین کے نظام کی اولین ذمہ داری ہے۔ یہ اس نظام کا کام ہے کہ دیکھے کہ ذرائع پیداوار کا انتظام کس طرح کیا جائے۔ جس سے وہ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکے۔

قوم کے سامنے قرآنِ کریم کے اس تصور کا عام کرنا تا کہ وہ اس قسم کا معاشی نظام قائم کرے۔ میری دعوت کا مقصود ہے۔

واضح رہے کہ قرآنِ کریم کے نظامِ ربوبیت اور کمیونزم میں بعد المشرقین ہے۔ جس فلسفۂ حیات پر کمیونزم کا معاشی نظام استوار ہوتا ہے۔ وہ فلسفۂ اسلام کے فلسفۂ زندگی کا یکسر نقیض ہے۔ اُس فلسفہ کی رُو سے نہ خدا کو مانا جاتا ہے نہ وحی کو۔ نہ انسانی ذات کے وجود کو تسلیم کیا جاتا ہے نہ مستقل اقدارِ زندگی کو' نہ قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان ہوتا ہے نہ حیاتِ آخرت پر۔ یہ وجہ ہے کہ میں اس حقیقت کا بہ تکرار و اصرار اعلان کرتا رہتا ہوں کہ کمیونزم کے فلسفۂ حیات کو ماننے والا مسلمان نہیں ہو سکتا اور یہی وجہ ہے کہ کمیونسٹ بھی میری دعوت کی اسی طرح مخالفت کرتے ہیں جس طرح نظامِ سرمایہ داری کے حامل اور مؤید۔ قرآن کا معاشی نظام اس کے اپنے فلسفۂ حیات کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے اور یہ کسی دوسرے فلسفۂ حیات سے مفاہمت نہیں کر سکتا۔

عقل و بصیرت:

دین اپنے ہر دعویٰ کو قرآنی سند کے ساتھ پیش کرتا اور علم و بصیرت کی بنا پر منواتا ہے۔ وہ قرآنِ کریم کی مستقل اقدار کی روشنی میں' عقلِ انسانی سے کام لینے کو مومنین کو شیوہ قرار دیتا ہے وہ مومنوں کی خصوصیت یہ بتاتا ہے کہ وہ اور تو اور آیاتِ خداوندی کے سامنے بھی اندھے اور بہرے بن کر نہیں جھکتے (25:73) وہ انہیں عقل و بصیرت کی رُو سے مانتے ہیں۔ قرآن کی رُو سے' ایمان نام ہی' وحی کی صداقتوں پر' دل اور دماغ کے کامل اطمیناں کے بعد' یقین کرنے کا ہے۔

لیکن جب دین مذہب کی سطح پر آ جاتا ہے تو وہ سب سے پہلے علم و عقل کو دیس نکالا دے دیتا ہے۔ اس لئے کہ مذہب پنپتا ہی تاریکیوں میں ہے۔ اس کے پاس نہ اپنے کسی دعویٰ کی تائید میں قرآن کی سند ہوتی ہے نہ عملی اور عقلی دلائل۔ ''جو کچھ ہوتا چلا آ رہا ہے''۔ اس پر آنکھیں بند کر کے چلتے جانا، اس کے نزدیک صراطِ مستقیم پر چلنے کا نام ہے۔ جو کچھ ہم سے پہلے کسی انسان نے کہہ دیا۔ اس پر کسی قسم کی تنقید کرنا، یا اسے قرآنِ کریم کی روشنی میں پرکھنا، انتہائی گستاخی' اور الحاد و بے دینی ہے۔ اگر آپ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں، یا کسی اور مذہب کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے ہیں، تو اس کے بعد' کسی ایسے عقیدہ کے خلاف جو متوارث چلا آ رہا ہے' کسی خیال کا اظہار' آپ کو مرتد بنا دے گا جس کی سزا موت ہے۔

میری قرآنی بصیرت کے مطابق' اس قسم کے تصورات' اسلامی تعلیم کے خلاف ہیں اور میری دعوت ان کے خلاف صدائے احتجاج ہے۔ اسلام روشنی ہے تاریکی نہیں۔ قرآنِ کریم' نوعِ انسان کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لانے کے لئے دیا گیا تھا۔ وحی کی روشنی میں' عقلِ انسانی سے کام لینا۔ دین کا بنیادی تقاضا ہے۔

عورت کی پوزیشن:

قرآنِ کریم کی رُو سے' ہر انسان' انسان ہونے کی جہت سے واجب التکریم ہے اور عورت بھی اُسی قسم کی انسان ہے جس قسم کا انسان مرد ہے۔ انسان ہونے کی جہت سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ افزائش نسل کے سلسلہ میں اُس فطری وظیفہ کے علاوہ جو عورت سے مخصوص ہے' مرد اور عورت کی صلاحیتوں میں کوئی فرق نہیں۔ عورت زندگی کے ہر شعبہ میں مرد کی رفیق ہے اور ان کی باہمی رفاقت سے' زندگی کی گاڑی آگے چلتی ہے۔

لیکن مذہب نے ہمیشہ عورت کو مرد کا غلام بنا رکھا ہے۔ وہ اسے مقامِ انسانیت دینے پر کسی صورت میں رضامند نہیں ہوتا۔ اس کے لئے اس نے ایک عقیدہ وضع کیا کہ خدا نے پیدا تو آدم (مرد) ہی کو کیا تھا، لیکن جب وہ تنہائی کی وجہ سے اداس رہنے لگا۔ تو اس کی پسلی سے عورت کو نکالا تا کہ اس سے اس کا دل بہل جائے۔ گویا فطرت کے تخلیقی پروگرام میں مقصود بالذات مرد تھا۔ عورت' محض مرد کا دل بہلانے کے لئے پیدا کی گئی تھی۔ لیکن عورت نے شیطان کے فریب میں آکر مرد کو بہکایا اور اس طرح اس بے گناہ کو جنت سے نکلوا دیا۔

اب ضروری ہے کہ عورت اپنے اس جرم کی سزا بھگتے اور یہ سزا وہ مرد کے ہاتھوں بھگتتی ہے۔ ہم نے ان خیالات کو اسرائیلیات سے لیا اور انہیں عین اسلامی بنا کر، اپنے عقائد میں داخل کر لیا۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔

چونکہ یہ عقائد قرآنِ کریم کی تعلیم کے خلاف ہیں' اس لئے میں ان کے خلاف مسلسل آواز اُٹھاتا رہتا ہوں ___ میرا پیغام' عورت اور مرد دونوں کے لئے یکساں مقامِ انسانیت کا پیغام ہے۔ یہ عقیدہ کہ عورت' مرد کے دل بہلانے کے لئے پیدا کی گئی ہے' اس قدر عام کیا گیا۔ کہ خود عورت نے بھی یہی سمجھ لیا کہ اس کا مقصدِ زندگی' مرد کے لئے جاذبِ توجہ بننا ہے۔

اس عقیدہ کا نتیجہ ہے کہ عورت' ہر وقت اپنی نمود و نمائش کی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتی ہے۔ قرآنِ کریم نے جو عورت کو زینت و زیبائش کی نمود سے منع کیا ہے تو اس سے وہ عورت کو اس کے صحیح مقامِ انسانیت سے آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس سے کہتا ہے کہ تیرا مقصدِ زندگی' مرد کا کھلونا بننا نہیں۔ شرفِ انسانیت کا بلند مقام حاصل کرنا ہے۔

میں عورت تک خدا کا یہ پیغام پہنچانا چاہتا ہوں۔ میں دنیا میں قرآن کے اس تصور کو عام کرنا چاہتا ہوں کہ ہم جب عورت اور مرد کے متعلق گفتگو کریں۔ تو دو انسانوں کی حیثیت سے گفتگو کریں۔ یہ دونوں انسان ہیں اور انسانیت کی میزان میں ان کا وزن یکساں ہے۔

تحریکِ پاکستان:

آپ نے غور کیا ہوگا' برادرانِ عزیز! کہ ہمارے ہاں عقیدہ وعمل کی تمام خرابیوں کی علت العلل یہ ہے کہ اسلام جو ایک دین تھا' مذہب میں بدل چکا ہے۔ لہٰذا ان خرابیوں کا علاج صرف ایک ہے کہ اسے مذہب کے مقام سے اٹھا کر پھر سے اُس دین میں تبدیل کر دیا جائے جسے خدا نے نوعِ انسانی کے لئے (قرآنِ کریم میں) عطا کیا تھا۔ اور جسے اس کے رسول ﷺ نے عملاً متشکل کر کے دکھایا تھا۔

اس کا طریق:

سوال یہ ہے کہ اس مذہب کو دین میں بدلنے کا طریقہ کیا ہے۔ میں یہ پہلے بتا چکا ہوں کہ دین ایک نظامِ حیات ہے۔ جس میں' خدا کے احکام کو بطور قوانین نافذ کیا جاتا اور ان کے مطابق زندگی بسر کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی حکم یا اصول کو بطورِ قانون اسی صورت میں نافذ کیا جا سکتا ہے کہ ان اصولوں کے ماننے والوں کی اپنی آزاد مملکت ہو۔ دوسروں کی مملکت میں مذہب تو باقی رہ سکتا ہے' دین نہ قائم ہو سکتا ہے' نہ باقی رہ سکتا ہے۔ چنانچہ جب غیر منقسم ہندوستان میں' مسلمانوں کے لئے الگ آزاد مملکت کے حصول وقیام کی تحریک شروع ہوئی ___ جسے تحریک مسلم لیگ یا تحریک پاکستان کہا جاتا ہے ___ تو طلوعِ اسلام جاری ہوا اور اس نے قرآنی خطوط پر اس تحریک کا پورے شدومد سے ساتھ دیا۔ جو حضرات اس تحریک کی تاریخ سے واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی مذہبی پیشوائیت کی طرف سے اس تحریک کی سخت مخالفت ہوئی۔ بجز چند افراد کے' علماء کا گروہ' مجموعی طور پر اس کا مخالف تھا۔ اس گروہ کے سرخیل مولانا ابوالکلام آزادؒ مولانا حسین احمد مدنی' مفتی کفایت اللہ (مرحومین) جیسے اکابر مفتیانِ شرعِ مبین تھے۔ تحریکِ پاکستان اور ان حضرات کی طرف سے اس کی مخالفت' درحقیقت دین اور مذہب کی کشمکش تھی۔ (اب آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ میں نے اس تذکرہ کی ابتداء مولانا آزاد (مرحوم) سے کیوں کی ہے؟) یہ حضرات اسلام کو ایک مذہب سمجھتے تھے۔ دین کا تصور اُن کے ذہن میں نہیں تھا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں ___ کلمہ' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ ___ اور یہ پانچوں کے پانچوں ہر اس مملکت میں ادا کئے جا سکتے ہیں جو ان کی ادائیگی پر پابندی عائد نہ کرے ___ اور آزاد ہندوستان میں ان کی ادائیگی کی مسلمانوں کو کامل آزادی ہوگی۔ اس لئے یہ کہنا کہ اسلام پر کاربند ہونے کے لئے ایک آزاد مملکت کی ضرورت ہے' اپنے ''سیاسی مقاصد'' کے لئے خواہ مخواہ اسلام کو درمیان میں گھسیٹ لانا ہے۔ ان کے مقابلہ میں طلوعِ اسلام' اسلام کو بہ حیثیت دین (نظامِ زندگی) پیش کرتا اور قرآنِ کریم کی واضح تعلیم کی روشنی میں اس حقیقت کو نمایاں کرتا تھا۔ کہ ایک آزاد خطۂ زمین' اسلام کے احیاء کے لئے اولین شرط ہے۔ اسی کشمکش میں یہ حقیقت بھی سامنے آئی' کہ مذہب' اصطلاحات تو وہی استعمال کرتا ہے جنہیں دین متعین کرتا ہے۔ لیکن ان اصطلاحات کا مفہوم اور تصور بدل دیتا ہے ___ کلمہ' صلوٰۃ' زکوٰۃ' صوم' حج' امام' جماعت' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' ثواب' عذاب' اطاعت ومعصیتِ خدا اور رسول وغیرہ

اصطلاحات دین نے استعمال کی تھیں۔ یہ اصطلاحات اُس نظام کے مختلف گوشوں کو سامنے لاتی تھیں اور عملاً بتاتی تھیں کہ ان میں سے ایک ایک جزو کس طرح دین کی عمارت کے لئے لاینفک ہے۔ مذہب نے انہی اصطلاحات کو اپنے ہاں منتقل کرلیا۔ لیکن ان کا مفہوم اور تصور بدل دیا۔ یہ سب سے بڑا مغالطہ ہے جو مذہب' اپنے برسرِ حق ہونے کے لئے پیدا کرتا ہے۔ یہ وہ ٹکنیک تھی جسے متحدہ ہندوستان کی تحریک کے حامی' نیشنلسٹ علماء استعمال کرتے تھے۔ اور اس سے عوام بڑی آسانی سے فریب میں مبتلا ہوجاتے تھے۔

دین کی اصطلاحات:

اس سے اس امر کی اہمیت اجاگر ہوکر میرے سامنے آئی کہ جب تک ان اصطلاحاتِ دینیہ کا صحیح تصور (قرآنِ کریم کی روشنی میں) متعین کرکے سامنے نہ لایا جائے' دین کی بات سمجھ میں نہیں آسکتی چونکہ اس کی حیثیت بنیادی تھی' اس لئے اس فریضہ کو میں نے خاص طور پر اپنے ذمہ لیا اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ اس کی ادائیگی میں صرف کیا (اور اب تک کررہا ہوں) اس سلسلہ میں میری متفرق کوششوں کے علاوہ' لغات القرآن بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں مَیں نے کوشش کی ہے۔ کہ قرآنِ کریم کے پیش کردہ تمام تصورات کا صحیح مفہوم متعین کرکے سامنے لایا جائے۔ یہ کتاب' قرآنی الفاظ کے معانی ہی نہیں دیتی' دین کے تصورات کا صحیح مفہوم بھی متعین کرتی ہے۔

میری پیش کردہ قرآنی فکر کے سمجھنے کے لئے اس بنیادی نکتہ کا سمجھ لینا ازبس ضروری ہے۔ یعنی اس نکتہ کا کہ ہمارے ہاں الفاظ اور اصطلاحات تو قرآن ہی کی رائج ہیں۔ لیکن ان کا مفہوم بالکل بدل چکا ہے۔ دین کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان اصطلاحات کا صحیح (قرآنی) مفہوم سامنے آئے۔

اسلامی نظامِ مملکت:

پاکستان بننے سے' ایک آزاد خطۂ زمین حاصل ہوگیا۔ تو اس میں صحیح اسلامی نظام قائم کرنے کا سوال سامنے آیا۔ اس لئے کہ خطۂ زمین کا حصول مقصود بالذات نہیں تھا۔ یہ ایک بلند و بالا مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔ لہٰذا اصل کام' خطۂ زمین کے ملنے کے بعد شروع ہوا اور یہ منزل بڑی کٹھن تھی۔ اب دین اور مذہب میں جنگ' اپنی انتہائی شدت کے ساتھ سامنے آئی تھی۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے' دین کے نظام سے مفہوم یہ ہے۔ کہ زندگی' قوانینِ خداوندی کے مطابق بسر کی جائے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں بنیادی سوال یہ تھا کہ وہ قوانین کون سے ہیں جن کے نافذ کرنے کا ذریعہ اسلامی حکومت ہے۔ اس سوال کا جواب (بظاہر) بڑا آسان اور واضح ہے اور وہ یہ کہ خدا کے قوانین سے مراد' اس کی کتاب میں دیئے ہوئے احکام وقوانین ہیں۔ یہ ٹھیک ہے۔ لیکن اس کتاب کا انداز یہ ہے کہ اس میں کچھ احکام متعین طور پر دیئے ہوئے ہیں۔ لیکن دیگر امور کے متعلق صرف اصول اور حدود دیئے گئے ہیں۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ ان اصولوں کی روشنی میں' جزئی احکام' وہ اُمت خود متعین کرے جو دین کو بہ حیثیت نظام قائم اور متشکل کرنے

کا ذمہ لے۔ قرآنِ کریم کے متعین کردہ قوانین ہوں یا اصول' یہ سب ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے۔ ان میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کا حق کسی فرد یا جماعت حتیٰ کہ ساری اُمت کو بھی نہیں ہوگا___ لیکن ان اصولوں کی روشنی میں مرتب کردہ احکام' حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بدلتے رہیں گے۔ ان میں اس قسم کی تبدیلی اسلامی مملکت کرے گی۔ جسے اصطلاح میں خلافت علیٰ منہاجِ نبوت' کہا جاتا ہے۔

خلافت علیٰ منہاج نبوت:

اس مقام پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ''خلافت علیٰ منہاج نبوت'' کی تھوڑی سی وضاحت کردی جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے دین کو ایک نظام کی شکل میں قائم کر کے دکھایا۔ اسے قرآنی مملکت کہئے۔ ظاہر ہے کہ یہ نظامِ رسول اللہ ﷺ کی ذات تک محدود نہ تھا۔ اس نظام کو آگے بھی چلنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد' یہی نظام حضور ﷺ کے سچے جانشینوں کے ہاتھوں آگے چلا۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد اُس دور کو جس میں یہ قرآنی نظام قائم رہا' خلافت علیٰ منہاجِ نبوت' کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس طرح نبوت حضور ﷺ کی ذات پر ختم ہوگئی۔ اسی طرح یہ خلافت' خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ساتھ ختم ہوگئی۔ اس کا دوبارہ قیام ممکن نہیں۔

یہ تصور قرآنِ کریم کی تعلیم کے خلاف ہے۔ خلافت علیٰ منہاج نبوت نام ہے قرآن کریم کے مطابق نظامِ حکومت قائم کرنے کا۔ چونکہ قرآنِ کریم ہمارے پاس ہر وقت موجود ہے' اس لئے اس کے مطابق نظام ہر زمانے میں قائم کیا جاسکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کا جو سلسلہ منقطع ہوگیا تھا' اُسے دوبارہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ جو مملکت بھی قرآن کے مطابق نظام قائم کرے گی اسے خلافت علیٰ منہاج نبوت کہا جائے گا۔ اس حکومت کو یہ حق حاصل ہوگا، کہ قرآنی اصولوں کے جو جزئی قوانین' کسی سابقہ دور میں مرتب ہوئے تھے۔ ان کا جائزہ لے' ان میں سے جو قوانین زمانے کی ضرورتوں کو پورا کریں' انہیں علیٰ حالہٖ رہنے دے' جن میں کسی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت ہو ان میں مناسب ترمیم و تنسیخ کردے۔ جہاں نئے قوانین کی ضرورت ہو وہاں نئے قوانین مرتب اور نافذ کرے۔ اسی کو اجتہاد کہا جاتا ہے۔ جس کا عمل ہمیشہ جاری رہے گا۔ لیکن (اسے پھر دہرا دیا جائے کہ) اس طرح قانون سازی کا حق یعنی حقِ اجتہاد صرف خلافت علیٰ منہاج نبوت (یعنی قرآنی حکومت) کو ہوگا۔ کسی فرد یا افراد کی کسی جماعت کو نہیں ہوگا۔ لیکن جب تک ایسی حکومت قائم نہ ہو۔ اُس وقت تک اس کے سوا چارہ نہیں کہ قرآنِ کریم کے اصولوں کی روشنی میں جو جزئیات کسی زمانے میں متعین ہوئی تھیں اور جن پر اُمت کے مختلف فرقے کاربند چلے آرہے ہیں ان پر اسی طرح عمل ہوتا رہے۔ کسی فرد یا گروہ کا یہ سمجھ لینا کہ اسے ان جزئیات میں تغیر و تبدل کا' یا نئی جزئیات مرتب کرنے کا حق حاصل ہے' اُمت میں انتشار پیدا کرنے کا موجب ہے۔ جس کی میں شدت سے مخالفت کرتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں فرقہ اہل قرآن یا ایسے افراد کا بھی مخالف ہوں جو کبھی تین نمازوں اور نو دن کے روزوں کا پرچار کرتے ہیں اور

کبھی اردو زبان میں نماز پڑھنے کی اختراع کرتے ہیں۔ البتہ ہمارے مروجہ عقائد اور عمل میں جو بات مجھے قرآنِ کریم کی تعلیم کے خلاف نظر آتی ہے۔ میں اس کی نشاندہی ضروری سمجھتا ہوں اور ایسا کرتا رہتا ہوں۔

یہ ہے قرآنی اصولوں کی روشنی میں جزئی احکام مرتب کرنے کا وہ طریقہ جسے میں قرآن اور سیرت نبی اکرم ﷺ کے مطالعہ سے صحیح سمجھتا ہوں اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ خلافتِ راشدہ میں قانون سازی کا یہی اصول تھا___ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کئی ایسے فیصلوں میں تبدیلی کی جو ان سے پہلے عہد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور زمانہ نبی اکرم ﷺ میں نفاذ پذیر ہوئے تھے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبات (کے چھٹے خطبہ) میں بڑی وضاحت سے بتایا ہے کہ امام اعظم (ابوحنیفہؒ) اور شاہ ولی اللہؒ کا یہی مسلک تھا۔ ہمارے زمانے کے اکثر علماء (مثلاً مولانا عبید اللہ سندھیؒ) نے اس کی تائید کی ہے۔ خود میری مخالفت کرنے والوں میں ایسے حضرات موجود ہیں۔ جو اسی خیال کے موئد ہیں لیکن ہمارے عام قدامت پرست طبقہ کا عقیدہ اس کے خلاف ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ شریعت کے تمام احکام پہلے سے مرتب ہو چکے ہیں اور اسلامی حکومت کا فریضہ صرف ان احکام کو نافذ کرنا ہے۔ وہ ان میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں کرسکتی۔ ایک گروہ کے نزدیک یہ احکام' کتب احادیث میں مجتمع ہیں اور دوسرے گروہ کے نزدیک ائمہ فقہ کی کتابوں کے اندر۔ تغیر وتبدل نہ اُن میں ہوسکتا ہے نہ ان میں۔ ان میں سے بعض نے اب اتنا کہنا شروع کر دیا ہے کہ جن امور کے متعلق کتب احادیث یا فقہ میں کوئی حکم نہ ملے' ان کے متعلق نئے احکام مرتب کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن ان احکام کی ترتیب وتدوین علمائے کرام کریں گے حکومت نہیں۔ حکومت اگر کوئی قانون بنانا چاہے تو جب تک اُسے علماء کی طرف سے سند حاصل نہ ہو جائے اسے نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ جو لوگ اس بات کو اِن الفاظ میں نہیں کہتے' اس مطالبہ کو وہ بھی بڑی شدومد سے پیش کرتے ہیں کہ پرسنل لاز (نکاح' طلاق' وراثت وغیرہ سے متعلق احکام) بالضرور علماء کی تحویل میں رہنے چاہئے۔ حکومت کو ان میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں___ چنانچہ عائلی قوانین (فیملی لاز) کی مخالفت اسی نظریہ کے ماتحت کی جارہی ہے۔

جماعت اسلامی:

اگرچہ ان نظریات ومطالبات میں سے ہر نظریہ ومطالبہ' خلافت علیٰ منہاج نبوت میں طریقِ قانون سازی کے اصول کے خلاف ہے جس میں مذہبی پیشواؤں کا کوئی الگ گروہ ہوتا ہی نہیں تھا___ یہ گروہ اس زمانے میں پیدا ہوا تھا جب دین' مذہب اور سیاست کے دو الگ الگ گوشوں میں بٹ گیا تھا۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ قابلِ اعتراض بلکہ خطرناک موقف جماعت اسلامی کے امیر سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا ہے۔ باقی گروہوں میں اتنی بات مسلم اور واضح ہے کہ احکام شریعت پہلے سے موجود ہیں اور ان احکام کی فہرست یہ ہے۔ ان میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا۔ سنتِ رسول ﷺ اور ائمہ فقہ دونوں کے متبعین کا یہی مسلک ہے۔ لیکن مودودی صاحب کا مسلک یہ ہے کہ:

(1) حکومت کو از خود قانون سازی کا حق حاصل نہیں۔

(2) پاکستان میں جملہ قوانین، کتاب وسنت کے مطابق ہونے چاہئیں۔

(3) سنت کا تعین یا جن احادیث سے سنت متعین کی جائیگی ان کے صحیح اور ضعیف قرار دینے کا کام از سرِ نو کیا جائے گا۔

اس کے لئے کوئی خارجی اصول یا معیار نہیں ہوگا۔ مزاج شناسِ رسول ﷺ کی نگہ بصیرت غلط اور صحیح کا معیار ہوگی۔ حتیٰ کہ جن امور میں کوئی حکم پہلے سے موجود نہیں اس کے متعلق بھی وہی کہہ سکے گا کہ ایسے مقام پر رسول اللہ ﷺ کیا حکم دیتے۔ اس لئے اس کے حکم کو رسول اللہ ﷺ کا حکم سمجھا جائے گا۔

(4) اور، جماعتِ اسلامی کے اکابرین کے بیانات کے مطابق، یہ مزاج شناسِ رسول ﷺ خود مودودی صاحب ہیں۔

اس سلسلہ میں خود مودودی صاحب کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔ احادیث کے متعلق وہ اپنی کتاب ''رسائل ومسائل'' میں لکھتے ہیں:

> اصل واقعہ یہ ہے کہ کوئی روایت جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو، اس کی نسبت کا صحیح اور معتبر ہونا خود زیر بحث ہوتا ہے۔ آپ (یعنی فریقِ مقابل) کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیثِ رسول ﷺ مان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں۔ ہم سند کی حجت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں سمجھتے۔ (ص:290)

سند کی حجت اگر دلیل نہیں تو پھر حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا معیار کیا ہے۔ اس کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ اس کا فیصلہ وہی کر سکتا ہے:

> جس نے حدیث کے ذخیرے کا گہرا مطالعہ کر کے احادیث کو پرکھنے کی نظر بہم پہنچائی ہو۔ کثرت مطالعہ اور ممارست سے انسان میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسول اللہ ﷺ کا مزاج شناس ہو جاتا ہے۔۔۔ اس مقام پر پہنچ کر وہ اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا۔ وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلہ کا مدار اس پر نہیں ہوتا۔۔۔ وہ ایک حدیث کو دیکھ کر اول نظر میں سمجھ لیتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایسا فرما سکتے تھے یا نہیں۔ آپ کا عمل ایسا ہو سکتا تھا یا نہیں۔۔۔ یہی نہیں بلکہ جن مسائل میں اس کو قرآن وسنت سے کوئی چیز نہیں ملتی ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی ﷺ کے سامنے فلاں مسئلہ پیش آتا۔ تو آپ اس کا فیصلہ یوں فرماتے۔ (تفہیمات، حصہ: اوّل، ص:302؛ ص:324، شائع شدہ محرم 1359ھ)

یعنی پہلے یہ، مزاجِ شناسِ رسول ﷺ، تمام سابقہ معیاروں کو بالائے طاق رکھ کر، اپنی نگہ بصیرت سے اس امر کا فیصلہ کرے گا کہ احادیث کے مجموعوں میں سے کون کون سی حدیث قابل قبول ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد اس کی نگاہ اس کا بھی فیصلہ کرے گی کہ ان احادیث میں سے، کن احادیث سے مرتب کردہ سنت کو فی الواقعہ سنتِ رسول اللہ ﷺ کہا جائے گا۔ اس

سلسلہ میں ان کا ارشاد ہے۔

سنت اِس طریقِ عمل کو کہتے ہیں جس کے سکھانے اور جاری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث کیا تھا۔ اس سے شخصی زندگی کے وہ طریقے خارج ہیں جو نبی نے بہ حیثیت ایک انسان ہونے کے، یا بہ حیثیت ایک ایسا شخص ہونے کے جو انسانی تاریخ کے خاص دور میں پیدا ہوا تھا اختیار کئے۔۔۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جو حضور ﷺ کے اپنے شخصی مزاج اور قومی طرز معاشرت اور آپ کے عہد کے تمدن سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کا سنت بنانا مقصود نہیں تھا۔۔۔ (اسی طرح) جو امور آپ نے عادۃً کئے ہیں، انہیں سنت بنا دینا، اور تمام دنیا کے انسانوں سے مطالبہ کرنا کہ وہ سب ان عادات کو اختیار کر لیں، اللہ اور اس کے رسول کا ہرگز منشاء نہیں تھا۔ یہ دین میں تحریف [1] ہے۔

(رسائل ومسائل، ص:300؛ ص:308؛ ص:311؛ ص:314؛ ص:317)

اس سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ جس سنت کو ملک کا قانون قرار دیا جائے گا۔ اس کا تعین یکسر مزاج شناسِ رسول ﷺ کی مرضی پر موقوف ہوگا۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ یہ تھیا کریسی کی کس قدر آمرانہ، اور مستبدانہ شکل ہوگئی جس میں تمام قوانین ایک شخص کے فیصلوں کے مطابق وضع ہوں گے اور ان قوانین کا اتباع ''خدا اور رسول ﷺ کے فیصلوں'' کی حیثیت سے کرایا جائے گا۔ جن کی خلاف ورزی دنیا اور آخرت میں سخت ترین سزا کی مستوجب، اور جن سے انکار، ارتداد ہوگا جس کی سزا موت ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنی کتاب (مرتد کی سزا) میں یہاں تک کہہ چکے ہیں کہ پاکستان میں جب نظامِ شریعت قائم ہوگا تو یہاں کے مسلمانوں کو ایک سال کا نوٹس دیا جائے گا کہ وہ اپنے عقائد ومسالک اس اسلام کے مطابق کر لیں جسے یہ صحیح اسلام قرار دیں۔ جو لوگ ایسا نہیں کریں گے انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

آپ نے غور کیا ہوگا کہ مودودی صاحب وہی پوزیشن اختیار کرنا چاہتے ہیں جو عیسائیت میں کلیسا (یعنی چرچ) نے اختیار کر رکھی تھی اور جس کی رُو سے ہر معاملہ کا آخری فیصلہ پادریوں کے ہاتھ میں تھا۔ چرچ اینڈ اسٹیٹ (کلیسا اور حکومت) کی اس کشمکش نے کیا قیامت برپا کی تھی، اس پر یورپ کی تاریخ کے خونی اوراق شاہد ہیں۔ صدیوں کی مسلسل تباہیوں کے بعد وہاں مفاہمت کی شکل یوں پیدا کی گئی کہ حکومت سیکولر ہوگی اور مذہب کا کام چرچ تک محدود رہے گا۔ یعنی مذہب اور سیاست دو الگ الگ شعبے قرار پا گئے۔ جماعتِ اسلامی اس بدنصیب ملک کو اس مقام پر لے جانا چاہتی ہے جہاں سے یورپ میں چرچ اور اسٹیٹ کی یہ کشمکش شروع ہوئی تھی۔ اگر یہ جماعت تقویت پکڑتی گئی تو خطرہ ہے کہ جو کچھ یورپ میں ہوا تھا وہی کچھ یہاں ہو کر رہے گا۔ میں اسے اسلام اور پاکستان دونوں کے لئے تباہی کا موجب سمجھتا ہوں۔ (جاری ہے)

---

[1] واضح رہے کہ حدیث کی کتابوں میں یہ نہیں لکھا ہوتا کہ فلاں فلاں امور حضور ﷺ نے بہ حیثیت ایک انسان ہونے سرانجام دیئے تھے یا وہ حضور ﷺ کے شخصی مزاج کے مطابق اختیار کردہ تھے۔ یا ان امور کو حضور ﷺ نے عادۃً اختیار کیا تھا۔ یہ تمیز وتفریق بھی مزاج شناسِ رسول ﷺ ہی کرے گا۔

خورشید انور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پاکستان کے سلگتے مسائل اور قرآن

(یہ مضمون کنونشن کے موقعہ پر پڑھا گیا)

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (2:213)

عزیزانِ گرامی!

مقامِ شکر ہے کہ ایک بار پھر قرآن کے بینر تلے طلوعِ اسلام کے سالانہ کنونشن کے پرمسرت موقع پر جمع ہیں اور بحیثیت چیئرمین ادارہ مجھے پہلی بار اس محفل میں شرکت کا اعزاز حاصل ہو رہا ہے۔ لیکن اس موقع پر مرحوم جناب محمد اکرم راٹھور صاحب سابق چیئرمین ادارہ طلوعِ اسلام کا ذکر کئے بغیر گزر جانا ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ آج ان کی خالی نشست ان کی کمی بڑی شدت سے یاد دلا رہی ہے۔ جیسا کہ میں نے بارہا اس بات کا ذکر کیا ہے کہ مرحوم جتنے خوش آواز اور خوش لباس تھے اس سے کہیں زیادہ خوش اخلاق اور خوش مزاج تھے۔ مرحوم نے اپنی پوری زندگی قرآن کی خدمت کے لئے وقف کی تھی۔ بیماری کے باوجود قرآنِ حکیم کی ترویج و اشاعت کے لئے ہمہ وقت مصروف رہتے اور ہمیشہ نماز پنج وقت کے پابند رہے۔ حتیٰ کہ محترم باباجی نے بھی آپ کی امامت میں نماز پڑھی۔ تحریکِ طلوعِ اسلام سے ان کی وابستگی شاید ہم میں سے بہت سوں کی پیدائش سے بھی پہلے کی ہے اور مرحوم 2014ء سے ادارہ کے تاحیات چیئرمین رہے۔ ان کی وفات سے نہ صرف ہم ایک مخلص دوست اور بزرگ و شفیق انسان سے محروم ہو گئے بلکہ ادارہ میں ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ کبھی پُر نہیں ہو سکے گا۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

آج کی نشست کا ایک موضوع ہے ''پاکستان کے سلگتے مسائل اور اُن کا قرآنی حل'' اور دوسرا موضوع ہے

احیائے اسلام کے لئے علامہ پرویزؒ کی کوششیں۔ موضوعات پر مقررین اپنی عالمانہ تقاریر اور مقالے آپ کے گوش گزار فرمائیں گے لیکن یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ دونوں موضوعات آپس میں اتنے مربوط اور متعلقہ ہیں جیسے ایک کتاب کے دو باب۔

عزیزانِ محترم!

مسائل تو زندگی کا لازمی حصہ ہوتے ہیں اور چاہے فرد ہو یا قوم' جب تک زندگی اور مسائل ختم نہیں ہوتے اور انہی مسائل کے حل کے لئے وحی کی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ تنہا عقل انسانیت کو درپیش پیچیدہ مسائل کو حل کر ہی نہیں سکتی۔ جب میں پاکستان کے موجودہ مسائل کو دیکھتا ہوں تو مسائل کا ایک انبار لگا ہوا ہے جس میں ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے اور ہر مسئلہ اپنی جگہ ایک سنگین اور سلگتا ہوا مسئلہ ہے اور یوں ہر مسئلہ دوسرے سے بڑا لگ رہا ہے ایسے میں بندہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ کونسا مسئلہ سنگین نہیں۔ لیکن مجھے تمام مسائل کی جو جڑ و بنیاد نظر آ رہی ہے اور جس کو بجا طور پر ام الامراض کہا جا سکتا ہے وہ ہے معاشرے میں سیاسی تقسیم اور بڑھتا ہوا انتشار جس کی وضاحت کے لئے انگریزی کا لفظ Polarization استعمال کیا جا سکتا ہے۔ انسانوں کی باہمی تفریق' تقسیم اور عداوتوں کی وجہ سے معاشرے کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور باہمی عداوتیں معاشرے کو جہنم میں تبدیل کر دیتی ہیں جیسی آج پاکستان کی حالت ہے اور اسی وجہ سے قرآن نے تقسیم اور انتشار کو معاشرے کے امن کے لئے زہرِ قاتل قرار دیا ہے۔ معاشرے کی تقسیم چاہے مذہبی فرقہ پرستی کی وجہ سے ہو یا سیاسی پارٹی بازی کی وجہ سے دونوں قابلِ مذمت اور شرک ہیں۔ وحی کے نزول اور انبیاء علیہم السلام کے بعث کا بنیادی مقصد ہی انسانوں کے معاشرے میں باہمی اختلافات ختم کر کے انہیں وحدت کی لڑی میں پرونا ہے۔ سورۃ البقرہ کی جو آیت میں نے اپنی گفتگو کے آغاز میں تلاوت کی اس کا مفہوم یہ ہے:

انسانی زندگی کا پہلا دَور وہ تھا جب (وہ تمدنی زندگی سے نا آشنا تھا۔ قدرتی پیداوار پر اس کا گزارہ تھا اور وہ ہر ایک کو بافراط مل جاتی تھی اس لئے ان کے باہمی مفاد میں ٹکراؤ نہیں ہوتا تھا) سب ایک برادری کی شکل میں رہتے تھے۔ اس کے بعد' اُنہوں نے تمدنی زندگی شروع کی تو باہمی مفاد میں ٹکراؤ ہوا اور اس طرح' اُن میں اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ اِن اِختلافات کا مٹانا تنہا عقلِ انسانی کے بس کی بات نہ تھی' کیونکہ ہر فرد اور ہر گروہ کی عقل اُس کے ذاتی مفاد کا تحفظ چاہتی ہے۔ دوسروں کا مفاد اُس کے سامنے ہوتا ہی نہیں۔ اس مقصد کے لئے اللہ نے انبیاء کو علیہم السلام اپنی وحی دے کر بھیجا۔ وہ انہیں اختلافی زندگی کے نتائج وعواقب سے آگاہ کرتے اور ایک برادری بن کر رہنے کی زندگی کے خوشگوار ثمرات کی خوش خبری سناتے۔ ہر نبی اپنے ساتھ قوانینِ خداوندی کا ضابطہ (الکتاب) لاتا جو حق پر مبنی ہوتا' تاکہ وہ لوگوں کے اختلافی امور کا فیصلہ کرے۔ ہر نبی' اِس ضابطہ کی رُو سے'

وحدت پیدا کر کے چلا جاتا' لیکن' اِس کے بعد' وہ لوگ جنہیں وہ ضابطہ دیا گیا تھا' باوجود ایسی واضح تعلیم کے' باہمی ضد اور مخالفت' اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کے خیال سے' پھر اختلافات شروع کر دیتے۔ لیکن اِن میں سے جو لوگ اِس ضابطہ کی صداقت پر یقین رکھتے' انہیں خدا' اپنے قانون کے مطابق' اختلافات سے بچنے کی راہ دکھا دیتا۔ یہی وہ طریق ہے جس سے اللہ' ہر اس قوم کو جو اختلافات سے بچنا چاہتی ہے زندگی کی توازن بدوش' سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کر دیتا ہے۔

سورہ الروم آیت 32، 31 میں قرآن نے فرقہ پرستی اور پارٹی بازی کو واضح الفاظ میں شرک قرار دیا ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝

مفہوم: اس اتباع اور اطاعت میں کسی اور کے قانون اور فیصلے کو شریک نہ کرو لہٰذا' تم بڑی احتیاط برتنا کہ اس طرح توحید کے پیرو بن کر' پھر سے مشرک نہ بن جاؤ۔ یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا' اور اس طرح اُمت واحدہ رہنے کے بجائے' مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ فرقوں میں بٹ جانے کے بعد حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ہر فرقہ سمجھتا ہے کہ جس طرح پر ہم چل رہے ہیں' وہی حق وصداقت کی راہ ہے۔ اس لئے وہ اپنے آپ میں مگن ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ یاد رکھو! فرقہ پرستی اور گروہ بندی شرک ہے۔ تم اس شرک کے مرتکب نہ ہو جانا۔

سورۂ آل عمران کی آیت نمبر: 103 میں اللہ تعالیٰ نے باہمی اختلاف انتشار اور دشمنی سے نجات کو اپنے انعام سے تعبیر کیا ہے جہاں ارشاد ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

مفہوم: یاد رکھو! دین نہ انفرادی مسلک کا نام ہے' نہ گروہ بندیوں کے طریقے کا۔ لہٰذا تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم' سب کے سب' بلا استثناء' اجتماعی طور پر' اِس نظام کے ساتھ' محکم طور پر' وابستہ رہو اور اُمت میں فرقہ پرستی اور پارٹی بازی کو مت آنے دو (کہ فرقہ پرستی شرک ہے' اور پارٹی بازی' خدا کا عذاب۔ تم ذرا اپنی پچھلی حالت کو یاد کرو' جب تم اجتماعی زندگی کی بجائے' فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ تم ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ خدا نے اُس حالت میں' تمہیں ایسا نظامِ زندگی عطا کیا جس سے (تم میں صرف ظاہراً اتحاد ہی پیدا نہیں ہوا بلکہ) تمہارے (بقیہ صفحہ نمبر 34 پر ملاحظہ کریں)

سالانہ کنونشن ادارہ طلوعِ اسلام

سماعت گاہ کے مناظر

منعقدہ مورخہ 10 دسمبر 2022ء










سماعت گاہ کے مناظر










شام 10 دسمبر 2022ء



حاضرینِ مجلس کا ایک منظر



محمد عمر (نمائندہ بزم لاہور)



تلاوت: فضل ودود



سامعینِ کرام



حاضرینِ مجلس کا ایک منظر



عاطف طفیل اظہارِ خیال کرتے ہوئے



جعفر حسین اظہارِ خیال کرتے ہوئے



سوال و جواب کرتے ہوئے

شام 10 دسمبر 2022ء



ڈاکٹر انعام الحق اپنا مضمون پڑھتے ہوئے



حاضرینِ مجلس کا ایک منظر



ڈاکٹر اعجاز رسول (گلاسگو) ویڈیو خطاب کرتے ہوئے



فوزیہ مالک مقالہ پڑھتے ہوئے



ریاض الحسن (لاہور)



عابد حسین (بزمِ طلوعِ اسلام راولپنڈی)



حاضرینِ مجلس کا ایک منظر



خالد بشیر فاروقی تاثرات جانتے ہوئے

سالانہ کنونشن ادارہ طلوعِ اسلام
(سیمینار)

منعقدہ مورخہ 11 دسمبر 2022ء



محمد عمر نظامت کے فرائض ادا کرتے ہوئے



حاضرینِ مجلس کا ایک منظر



سامعینِ کرام



تلاوت: فضل ودود



سبیل شاہین مقالہ پڑھتے ہوئے



محمد اویس ایڈووکیٹ نظم پڑھتے ہوئے



سامعینِ کرام



خورشید انور (چیئرمین ادارہ) افتتاحیہ کلمات ادا کرتے ہوئے





سماعت گاہ کا ایک منظر



اسٹیج پر موجود مہمانانِ خصوصی (دائیں سے بائیں) محمد عمر، ڈاکٹر انعام الحق، خورشید انور چیئرمین ادارہ، پروفیسر ڈاکٹر صالحہ نغمی



پروفیسر ڈاکٹر صالحہ نغمی مقالہ پڑھتے ہوئے



سماعت گاہ کا ایک منظر





حاضرینِ مجلس کا ایک منظر





سماعت گاہ کا ایک منظر



خالد بشیر فاروقی اظہارِ خیال کرتے ہوئے



عقیل حیدر اظہارِ خیال کرتے ہوئے



صدیق اکبر اظہارِ خیال کرتے ہوئے



سامعینِ کرام



حاضرینِ مجلس کا ایک منظر



یاسر صدیقی مقالہ پڑھتے ہوئے



جواد احمد اظہارِ خیال کرتے ہوئے



سماعت گاہ کا ایک منظر



سامعینِ کرام



صدرِ مجلس، ڈاکٹر انعام الحق صدارتی کلمات ادا کرتے ہوئے





حاضرین مجلس کا ایک منظر

(بقیہ صفحہ نمبر 25 سے آگے ملاحظہ کریں) دل ایک دوسرے سے جڑ گئے' اور تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔۔۔تمہارا اس طرح' ایمان کے رشتے میں منسلک ہوکر' ایک برادری بن جانا' کتنا بڑا انعامِ خداوندی تھا۔۔۔تم' اس سے پہلے' ہلاکت اور تباہی کے جہنم کے کنارے پہنچ چکے تھے' کہ اِس (نظامِ خداوندی) نے تمہیں' اُس میں گرنے سے بچالیا۔ اللہ اِس طرح' اپنے قوانین وضوابط' اور اُن کے نتائج وثمرات' واضح طور پر' بیان کرتا ہے' تاکہ زندگی کا صحیح راستہ تمہارے سامنے رہے۔

میرے عزیز دوستو!

اس آیت سے یوں ہی سرسری طور پر ہی نہ گزر جانا بلکہ ذرا ٹھہر کر اس کے الفاظ پر غور کریں وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ کے الفاظ کس طرح پاکستان کے موجودہ حالات کا آئینہ ہیں یعنی تم ہلاکت اور تباہی کے جہنم کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ کیا آج ہم سیاسی رقابتوں اور انتشار کی وجہ سے اسی ہلاکت اور تباہی کی جہنم کے کنارے پر نہیں کھڑے جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے؟ میری نظر میں پاکستان کا سب سے بڑا اور بنیادی مسئلہ سیاسی انتشار وافتراق ہے جو ہمارے تمام مسائل کی جڑ ہے۔ وحدت اور ایک قوم کا تصور ہی عملی طور پر معدوم ہو چکا ہے۔ پوری قوم فی الحقیقت متحارب گروہوں میں بٹ چکی ہے' ہر ایک گروہ دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے ہر حد پار کرنے کو تیار بیٹھا ہے اور اب تو یہ نفرتیں سرحد فراموش ہو چکی ہیں اور پاکستان سے باہر ایک پیروکار دوسری پارٹی کے لیڈران پر جملے کستے اور گالیاں دیتے نظر آتے ہیں جس سے عوام کے ذہنوں میں نہ صرف یہ دشمنی پختہ ہوتی چلی جارہی ہے بلکہ بیرون ملک پاکستان کے وقار کا جنازہ بھی نکل رہا ہے اور اس سیاسی چپقلش کا سب سے زیادہ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ ہر گروہ اپنے نظریات کو اسلام کے لبادے میں پیش کررہا ہے۔ ہر ایک اپنے سیاسی موقف کو پاکستان کے استحکام اور بقاء کی بنیاد سمجھتا ہے۔ عوام نے پارٹیوں اور خوش نما نعروں کی شکل میں شخصیات کو اپنے مسائل کا حل سمجھ لیا ہے اور یہیں سے ہمارے قبلے کا رخ غلط سمت کو تبدیل ہوگیا ہے۔ جب تک قرآن کا تصور وحدت ہمارے ایمان کا بنیادی جزو نہیں بنتا اور ہم توحید کے بنیادی تقاضے کی طرف واپس نہیں پلٹتے ہمارے موجودہ مسائل کا حل تو کیا ہم ہر لمحے مسائل کی دلدل میں مزید دھنستے چلے جائیں گے۔ کیونکہ قرآن نے اس روش کے انجام کو واضح انداز میں بیان فرمایا ہے۔ سورہ البقرۃ آیات 256 اور 257 ملاحظہ فرمائیں:

قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

مفہوم: سو جو قوم' غیر خداوندی نظام سے منہ موڑ کر' اِس نظام کی صداقت پر ایمان لے آئیگی اور اسے اپنی زندگی کا نصب العین بنالے گی' تو سمجھ لو کہ اُس نے ایسے محکم سہارے کو تھام لیا جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ اس لئے کہ یہ نظام اس خدا کا تجویز کردہ ہے جو ہر بات کا سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس نظام کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اللہ کا قانون اُس جماعت کا نگران ومحافظ اور یار و مددگار ہوگا' جو اِس کی صداقت پر یقین رکھ کر اِسے قائم کرنے کی کوشش کرے گی۔ وہ اُنہیں' غلط راستوں کی تاریکیوں سے نکال کر' صحیح راہ کی روشنی میں لے آئے گا اِن کے برعکس جو لوگ اِس نظام کی صداقت سے انکار کرتے ہیں' اُن کے معاملات دنیا کی سرکش (غیر خداوندی) قوتوں کے سپرد ہو جاتے ہیں' جو اُنہیں صحیح راستے کی روشنی سے ہٹا کر' غلط راہوں کی تاریکیوں کی طرف لے جاتی ہیں۔۔۔ اُن تاریکیوں میں جہاں انسانیت کی کھیتی جھلس کر راکھ کا ڈھیر ہو جاتی ہے' اور اِس تباہی سے نکلنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہتی۔

عزیزانِ گرامی!

قرآن کی ان آیات کو دیکھ کر دل پہ ہاتھ رکھیں اور بتائیں کیا یہ سب کچھ ہمارے بارے میں نہیں کہا جا رہا؟ کیا ہم سب نے کبھی اسلام کے نام پر' کبھی رسول ﷺ کے نام پر کبھی پاکستان کے نام پر اور کبھی سہانے مستقبل کے دلفریب نعروں کے نام پر شخصیات کو اپنا معبود نہیں بنایا؟ کیا ہم نے اللہ کے مقابلے میں طاغوت کی اطاعت اختیار نہیں کی؟ اگر ایسا ہی ہے تو انجام بھی وہی ہوگا جس کی نشاندہی قرآن نے کی ہے۔

علامہ پرویزؒ نے زندگی بھر مذہبی فرقہ پرستی اور سیاسی پارٹی بازی کو قرآن کی محکم آیات کی روشنی میں شرک ثابت کیا ان کے بیان کردہ قرآنی حقائق کو دلیل و برہان کی رُو سے غلط کہنے کی جرأت تو کسی کو نہ ہوئی البتہ سب نے مل کر اس کا جواب کفر کے فتوے سے دیا۔ جس سے بے نیاز ہو کر نہ صرف انہوں نے تحریر وتقریر کے ذریعے اپنی جدوجہد جاری رکھی بلکہ ہمیشہ ایسے کسی عمل سے اجتناب کیا جس سے مسلمانوں کی وحدت کو نقصان پہنچے اور مسلمانوں کے موجودہ فرقوں کے طریقہ ہائے نماز و دیگر مذہبی رسومات میں نہ صرف خود کسی ردوبدل سے گریز کیا بلکہ عمر بھر یہ تاکید کرتے رہے کہ کسی بھی فرد کو ان امور میں ردوبدل کا اختیار نہیں جب تک قرآن کے احکام کے مطابق ایک ریاست وجود میں نہ آجائے۔ اس طرزِ عمل کا مقصد صرف یہی تھا کہ مسلمانوں میں کوئی نیا فرقہ وجود میں نہ آئے اور قوم کے اندر تفریق بڑھانے کی بجائے وحدت پیدا کرنے کی فکر کی جائے۔ باباجی مرحوم کی زندگی بھر کی جدوجہد کا محور قرآنِ خالص تھا اور ان کی تمام کاوشوں' تحاریر اور تقاریر کا ملخص اقبال کا یہ شعر ہے کہ ؎

گر تُو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

مسلمانوں کی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائی تو یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ مسلم امت اس وقت تک ایک وحدت تھی جب تک ان میں قرآن کے علاوہ رہنمائی کے لئے کوئی اور کتاب نہیں تھی' تب تک ان میں کوئی مستقل فرقے' فقہی مسالک اور سیاسی ومعاشرتی گروہ بندیاں بھی نہیں تھیں لیکن جب مسلمانوں کا سیاسی نظام باقی نہ رہا اور ان میں قرآن کے ساتھ ساتھ انسانوں کی لکھی ہوئی کتابیں رواج پانے لگیں تب سے اختلاف کی بنیادیں استوار ہونے لگیں اور وقت گزرنے کے ساتھ قرآن اور مسلمانوں کا سیاسی نظام پیچھے رہ گیا اور مختلف فقہی مسالک اور مذاہب ہر مسلمان کی پہچان کے لئے لازمی قرار پا گئے۔ آج اگر ہم کنویں سے مرا ہوا کتا نکالنے کی بجائے بالٹیاں بھر بھر کے پانی نکالتے رہیں تو اس سے کنواں تو خشک ہوسکتا ہے لیکن صاف کبھی نہیں ہوسکتا۔ مسلمانوں کے ان گنت فرقوں کا آج بھی اگر کسی چیز پر اتفاق ہے تو وہ صرف اور صرف قرآن ہے اور فرقہ پرستی اور پارٹی بازی کے شرک سے وحدت کی طرف پلٹنے کا واحد راستہ قرآن کی طرف پلٹنا ہے۔ کہ ہر فرقہ اپنی اپنی کتابوں کو ایک طرف رکھ کر قرآن کی طرف آئے جس پر سب کا اتفاق ہے اور پھر اسی محکم اور لاریب معیار پر تمام چیزوں کو پرکھا جائے۔ اس طرح قوم میں پھر سے وحدت پیدا ہوجائے گی اور اختلافت مٹ جائیں گے۔ شرک ختم ہوجائے گا اور تمام مسلمان فی الحقیقت طاغوت سے منہ موڑ کر خدائے واحد کی بندگی اور اطاعت اختیار کرلیں گے۔ دوستوں یہی مقصد تھا جس کے لئے علامہ پرویزؒ نے اپنی زندگی وقف کی تھی کہ اس قوم کو طاغوت کی پیروی سے اللہ کی اطاعت کی طرف لائیں۔ یہی وہ مقصد تھا جس کے اصولوں پر انہوں نے زندگی بھر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ فرقہ پرستی اور پارٹی بازی کے اس شرک کے خلاف قرآنی آواز صرف اس درودیوار سے بلند ہوئی جہاں آج میں اور آپ بیٹھے ہیں۔ انہوں نے اپنی ذاتی زندگی اور اپنا تن من دھن اسی مقصد عظیم کے لئے وقف کیا اور آج اگر ہمارے دل قرآن کی روشنی سے منور ہیں تو یہ ان کا احسان ہے۔ لیکن اب ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم اس اندھیری رات میں قرآن کی روشنی پھیلانے کے لئے کمربستہ ہوجائیں اور پہلے پاکستان اور اس کے بعد پوری دنیا سے شرک کے اندھیرے مٹانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔

جہاں اگرچہ دگرگوں ہے قم باذن اللہ
وہی زمیں وہی گردوں ہے قم باذن اللہ

وقت کی تنگی کے پیشِ نظر انہی گزارشات پر اکتفا کرتا ہوں تاکہ باقی دوستوں کو موقع ملے۔ آپ کی بھرپور توجہ کا شکریہ۔

یاسر صدیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظامِ ربوبیت

(یہ مضمون طلوعِ اسلام کنونشن 2022ء کے سیمینار میں پڑھا گیا)

پھر اس انداز سے بہار آئی کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی
دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک اس کو کہتے ہیں عالم آرائی

یہ بہت مبارک ساعت ہے کہ آج قرآنِ کریم کے عشاق اتنی بڑی تعداد میں ملک کے طول وعرض سے یہاں یکجا ہوئے ہیں۔ آج کا اجتماع اس لئے بھی زیادہ خوش کن اور پرازسعادت ہے کہ یہ گزشتہ دوسال کرونا وبا کے باعث تعطل کا شکار رہا لیکن الحمدللہ، اس تعطل نے اراکین بزم کے جوش وجذبے میں اضافہ ہی کیا اور آج آپ کی اتنی بڑی تعداد میں والہانہ شرکت اس امر کی گواہی دیتی ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم وتعلم کا فریضہ آپ لوگ ماضی میں بھی تندہی سے انجام دیتے رہے ہیں اور انشاءاللہ آئندہ بھی یہ جذبہ ماندنہ پڑے گا۔

جناب صدرِ مجلس، محترم چیئرمین ادارہ طلوع اسلام، جناب جواد احمد صاحب، معزز اراکین بزم اور حاضرین کرام،
السلام علیکم

میں ادارہ طلوعِ اسلام کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے مجھ جیسے قرآن کے ایک ادنیٰ طالبعلم کو اپنے سالانہ مرکزی کنونشن سے خطاب کی دعوت دی۔ جناب محمد عمر صاحب جو کہ ایک انتہائی شفیق، حددرجہ خیرخواہ اور بے حد محبت کرنے والی شخصیت کے مالک ہیں اور ان کے ساتھ میرا برسہابرس کا قلبی تعلق استوار ہے، انہوں نے میرے خطاب کیلئے نظامِ ربوبیت کا موضوع تجویز کیا۔ علامہ غلام احمد پرویز رحمہ اللہ نے جتنا علمی کام اپنی محدود زندگی میں انجام دیا درانحالیکہ وہ اپنی سول سروس کی ذمہ داریاں بھی بھرپور طریقے سے ادا کرتے رہے، وہ حددرجہ حیران کن اور ان کے ایک غیرمعمولی عبقری ہونے پر دلیل ہے۔ علامہ پرویز صاحب کے کام کی قدر و قیمت کا حقیقی اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو صحافیانہ اور عامیانہ طرز کی ناصحانہ اور برانگیختہ کرنے والی تحریروں اور ذہن سوزی کی بنیاد پر انجام دیے جانے والے تخلیقی وتحقیقی کام کے فرق سے بخوبی واقف ہوں ورنہ اخبارات اور کالمز تو ڈھیروں کے حساب سے روز ہی چھپتے ہیں لیکن ان کی حیثیت نقش برآب سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔

میں چونکہ عربی زبان کا ایک باقاعدہ طالبعلم اور پھر ایک معلم رہا ہوں کہ ایک معروف دینی ادارے میں عرصہ دوسال تک پوسٹ گریجویٹ لیول پر عربی ادب کے استاد کی حیثیت سے ذمہ داریاں ادا کرچکا ہوں اور دوسری جانب میں نیوکلیر

سائنسز میں ماسٹرز ڈگری ہولڈر ہوں اور پاکستان اٹامک انرجی کمیشن میں تعلیم و تعلم اور دیگر شعبوں میں ایک طویل عرصہ تک خدمات انجام دے چکا ہوں تو شاید سائنسی تعلیم پر عبور اور زبانِ عربی کی مہارت کا یہی وہ امتزاج ہے جس نے مجھے علامہ صاحب کے کام کی اہمیت کو اس کی گہرائی میں جا کر سمجھنے کے قابل بنایا۔ مجھے جیو نیوز کے پروگرام چوراہا میں جب معروف صحافی جناب حسن نثار کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا تو وہاں مجھے قرآنی اصطلاحات کے لغوی پس منظر کی وضاحت کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس سلسلے میں تمام معروف اور مستند عربی لغات کے پہلو بہ پہلو علامہ صاحب کی شاہکار تصنیف لغات القرآن مسلسل میرے زیر مطالعہ رہتی جس نے میرے لئے میرے کام کو بہت آسان بنا دیا۔ اس احسانِ عظیم کیلئے تاحینِ حیات میں تہہِ دل سے حضرت علامہ کا مشکور رہوں گا۔

ہم اگر گزشتہ صدی میں انقلاب روس کے بعد کے زمانے پر نظر ڈالیں تو عالمی سطح پر نظریات کی دنیا میں دو نظام باہم متحارب نظر آتے ہیں۔ ایک جانب نظام سرمایہ داری ہے جو وسائل معیشت کی لامحدود نجی ملکیت، فری مارکیٹ اکانومی سے شرحِ منافع کے تعین اور سود پر مبنی سرمایہ کاری کا حامی ہے اور دوسری جانب اشتراکیت کا نظام ہے جو ہر نوعیت کے وسائل معیشت کی نجی ملکیت، کاروبار برائے منافع خوری اور سود کا کٹر مخالف ہے۔ اُس پرفتن دور میں ہمارے مذہبی علماء کی اکثریت اُس زمانے کے پیدا کردہ علمی چیلنج کا مقابلہ کرنے میں یا تو دلچسپی نہیں رکھتی تھی یا اس مقصد کیلئے درکار علمی استعداد میں کمی اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں بڑی رکاوٹ تھی۔ جیسا کہ علامہ اقبال رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری کو روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سوان مشکل حالات میں برصغیر پاک و ہند کے چمن میں خود علامہ محمد اقبال جیسا دیدہ ور پیدا ہوا جس نے ایک جانب اعلیٰ درجے کی دینی تعلیم حاصل کی تو دوسری جانب جدید فلسفے کے اسرار و رموز خود یورپ کے گہوارہ علمی میں رہ کر سیکھے۔ انہوں نے کارل مارکس کے تصورات کی فلسفیانہ بنیادوں کو نہ صرف سمجھا بلکہ ان کا تجزیہ کر کے ان کے حسن و قبح کو نمایاں کیا۔ وہ زمانہ جبکہ اہل اسلام اشتراکیت کی مذمت کا کام ایک مذہبی ذمہ داری سمجھ کر انجام دیتے تھے، دیکھیے علامہ صاحب اپنی کتاب ضربِ کلیم میں اشتراکیت ہی کے عنوان سے کیا فرماتے ہیں:

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم — بے سود نہیں روس کی یہ گرمیٔ رفتار
اندیشہ ہوا شوخیٔ افکار پہ مجبور — فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بیزار
انساں کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر — کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار
قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں — اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار
جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک — اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

یعنی علامہ محمد اقبال اشتراکیت کے نظام کو اُس زمانہ کی عمومی روش کے برعکس خلافِ مذہب قرار دے کر یکسر مسترد نہیں کرتے بلکہ اس کے بہت سے پہلوؤں کی خوبی کے معترف ہیں اور اس میں انہیں قرآنی تعلیمات کا عکس بھی دکھائی دیتا ہے۔ ویسے تو یہاں ہر صاحب منبر ومحراب بطور قومی شاعر حضرت علامہ کا اصلی اور حقیقی جانشین ہونے کا دعویدار ہے لیکن یہ حقیقت اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ ؎

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں اللہ کرے تجھ کو عطا جدّت کردار

کا سچا مصداق سوائے علامہ غلام احمد پرویز کے اور کوئی نہیں۔ علامہ اقبال نے قرآنی تصور معیشت کے باب میں جو فکری سمت متعین کی، علامہ غلام احمد پرویز نے اپنی شبانہ روز محنت سے اس کی شرح و وضاحت کی۔ مملکت خداداد پاکستان اپنے وجود پذیر ہونے کے بعد بہت جلد نظام سرمایہ داری کے فکری و سیاسی کیمپ کے تسلط میں چلی گئی۔ ہمارے ہاں ایسے مبلغین بھی پیدا ہو گئے جو بظاہر دونوں متحارب نظاموں کے مخالف نظر آتے لیکن ساتھ ہی وسائل معیشت کی لامحدود نجی ملکیت کی حمایت بھی کرتے۔ اندریں حالات یہ بلاشبہ بہت عزم اور حوصلے کی بات تھی کہ 1955ء میں قرآن مجید کے معاشی نظام کی وضاحت کیلئے علامہ پرویز صاحب نے نظامِ ربوبیت نامی کتاب شائع کی جس میں انسان کے معاشی مسائل کے قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کے قرآنی تصور پر کھل کر بات کی۔ اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 155 پر وہ نظامِ ربوبیت کی حتمی منزل کی خصوصیات کے بارے میں رقمطراز ہیں:

1۔ زمین کی ذاتی ملکیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس کے لئے کہہ دیا گیا ہے کہ وہ سواءللسائلین یعنی تمام ضرورتمندوں کی ضروریات پورا کرنے کیلئے یکساں طور پر کھلی رہے گی۔ لہذا زمین خرید خرید کر زمینداریاں اور جاگیرداریاں پیدا کرنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔

2۔ جب زمین پر ذاتی ملکیت نہیں ہوسکتی تو ظاہر ہے کہ کرائے پر دینے کیلئے مکانات بنانے کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ جب زمین ہی نہ ہوگی تو مکان کہاں بنایا جائے گا۔ مکان اپنی رہائش کیلئے درکار ہوگا سو اس کی ذمہ داری خود معاشرہ نے لے رکھی ہے۔ نہ ہی زمین کو بٹائی پر دینے کا سوال پیدا ہوگا۔

3۔ روپیہ جمع نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔ نہ ہی اسے کسی خاص حلقے میں گردش دیا جاسکتا ہے۔

4۔ اپنی ضروریات کیلئے نہ ہی اسراف کیا جا سکتا ہے نہ تبذیر۔ یعنی نہ زائد از ضرورت خرچ کیا جا سکتا ہے نہ بلا ضرورت۔

5۔ کسی کو روپیہ قرض دے کر اس پر سود نہیں لیا جاسکتا۔

بظاہر اشتراکیت کے مماثل دکھائی دینے والے نظام کے بارے میں وہ پورے شد و مد کے ساتھ اسے ایک مخالف اور متوازی نظام ثابت کرتے ہیں۔ جہاں مارکس ناکام رہ گیا نامی مقالے میں وہ فرماتے ہیں کہ کارل مارکس کا تجویز کردہ معاشی

نظام ان دو بنیادوں پر کھڑا ہے:

1۔ ذرائع پیداوار ذاتی ملکیت کی بجائے معاشرہ کی تحویل میں رہیں۔ اور

2۔ جس میں ہر فرد اپنی اپنی استعداد کے مطابق جان مار کر محنت کرے اور اس کی محنت کا ماحصل معاشرہ کی مشترکہ تحویل میں رہے جہاں سے ہر فرد کو اس کی ضروریات کے مطابق ملتا جائے۔ اس طرح نہ کوئی فرد اپنی ضروریات سے محروم رہے گا اور نہ کسی کے پاس اس کی ضرورت سے زائد باقی بچے گا۔

علامہ صاحب کے مطابق مارکس اپنے نظریے کی دوسری شق پر عمل کیلئے کسی واضح جذبہ محرکہ کی نشاندہی میں ناکام رہا لہذا یہاں وہ قرآنی تصورِ حیات کی ضرورت اور اہمیت کی وضاحت کرتے ہیں کہ کس طرح قرآن اپنے ماننے والوں کے اندر ایمانی بنیاد پر اسقدر غیر معمولی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے کہ وہ بالآخر دوسروں کو ضروریات کو اپنی ذاتی ضروریات پر ترجیح دینے پر دل کی کامل رضامندی کے ساتھ آمادہ ہو جاتے ہیں۔

علامہ پرویز کی یہ کتاب بلاشبہ ایک مکمل انقلابی لائحہ عمل ہے۔ اس میں انہوں نے صرف فکری بحث ہی نہیں کی بلکہ اس کتاب کے آٹھویں باب کا عنوان ہی عملی پروگرام ہے جس میں وہ نظامِ ربوبیت کے قیام کیلئے درکار تمام تقاضوں اور مراحل کا تفصیل سے احاطہ کرتے ہیں۔ آج جبکہ معیشت کی تنگی نے گھر گھر میں کہرام بپا کر رکھا ہے تو ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک جانب ان تصورات کا کماحقہ فہم حاصل کر کے عوامی مزاج اور زبان سے ہم آہنگ طریقوں سے ان کا موثر ابلاغ کیا جائے اور دوسری جانب باشعور افراد کی تنظیم کیلئے عملی اقدامات اٹھائے جائیں۔

نظامِ ربوبیت کی اہمیت اور اس کے قیام کیلئے علامہ کے تجویز کردہ لائحہ عمل کی تفہیم میں نے چند قطعات کی شکل میں کچھ یوں بیان کی ہے کہ:

کھڑے ہوؤں کو گرا دے نظامِ سرمایہ
گرے ہوؤں کو اٹھانا ہے حکمِ قرآنی
اگر نہ دل ہو بغاوت پہ تیرا آمادہ
کہاں کا دعویٔ ایمان، کیا مسلمانی؟

اور

رزق کے وسائل پر پتھروں کا قبضہ ہے
راستہ نہ دینے پر توڑنا ہی پڑتا ہے
بے بسی کے عالم میں، بے کسوں کی طاقت کو
مفلسی کے رشتے میں جوڑنا ہی پڑتا ہے

اور

پتھروں کو توڑو تو پھوٹتا ہے فوارہ
ندیوں کی صورت ہو نعمتوں کا بٹوارہ
تب زمیں اگلتی ہے، تہ بتہ خزانوں کو
تب جہان بنتا ہے رحمتوں کا گہوارہ

اس کے ساتھ ہی مجھے اجازت دیجیے۔ فی امان اللہ۔

خالد بشیر فاروقی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اظہارِ خیال

(یہ تحریر کنونشن کے موقعہ پر پڑھی گئی)

میں آج اپنے خطاب کے آخر میں علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا ایک شعر پیشِ خدمت کروں گا۔ ہیں تو وہ دو مصرعے مگر کائنات کے حقائق و اسرار کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ میری آج کی بات بھی تقریباً اسی شعر کی عکاسی ہوگی۔

اللہ اپنی سب سے اعلیٰ تخلیق انسان سے اس طرح مخاطب ہے کہ اے بندے! نہ صرف تو اپنا مقام پہچان بلکہ میرے پراجیکٹ کو بھی سمجھ، اس کا ادراک کر یعنی کائنات کے تسلسل کو آگے بڑھا۔ یعنی نئی نئی تحقیق اور نوع بہ نوع ایجادات پر دھیان دے اور فروعی مسائل میں نہ اُلجھ کر رہ جا۔ وقت کا ایک ایک لمحہ اہم ہے۔ فکر کر کہ تیرا آج کا دن گذشتہ روز سے بہتر ہے کہ نہیں۔ تو جس شعبے میں بھی ہے اس میں جدّت پیدا کر بقول اقبال ''ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا۔۔۔ حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں۔ علامہ پرویزؒ صاحب کا قول ہے کہ '' کائناتی علم عقلِ انسانی کو حقیقت کے قریب لے آتا ہے۔'' کائناتی علم کو دیکھئے:

سائنس کے علماء کا اندازہ ہے کہ 14 / 13 ارب نوری سال پہلے بگ بینگ یا عظیم دھماکا ہوا' کرے بنے' کہکشائیں بنیں' انہیں کہکشاؤں میں سے 4 ارب سال پہلے ایک ستارے کا ٹکڑا الگ ہوا۔ یہ ہماری زمین تھی۔۔۔ آگ کا ایک دہکتا گولا آسمانوں پر سے اُس گولے پر پانی برستا رہا۔ یہ ٹکڑا ٹھنڈا ہوا تو مٹی وجود میں آئی اسے اس طرح بھی کیا جا سکتا ہے کہ اس دہکتے کرے میں ہیوی پارٹیکلز نیچے چلے گئے جبکہ لائٹ پارٹیکلز اوپر آ کے ٹھنڈے ہو گئے اور پہاڑ بن گئے اور مٹی وجود میں آئی۔ اسی مٹی میں زندگی کے آثار رکھ دیئے گئے تھے اور یہ آثار اس وقت بھی تھے جب یہ دہکتا گولا تھا۔

اس کائنات میں کتنی ہم آہنگی' بیلنس، ردھم اور موسیقی ہے۔ اس طرح زمین پر ہم دیکھتے ہیں کہ پانی بھاپ بن کر سمندروں سے اُٹھتا ہے، آسمان پر بادل بنتے ہیں اور زمین پر برستے ہیں، پانی کھیتوں میں دوڑتا ہے مُردہ زمین میں نمود ہوتی ہے، مچھلیاں دریاؤں اور نہروں میں اچھلتی کودتی ہیں۔ کچھوے تیرتے ہیں' مینڈک ٹراتے ہیں اور زندگی رواں دواں رہتی ہے۔ اسی طرح انسان کو بھی اسی کائناتی عمل کا حصہ بننا ہے اور خدائی منشا کے مطابق اپنی نشوونما کرنی ہے۔۔۔ اپنی نشوونما کا

ادراک ہماری آنکھوں پہ عیاں ہوا ہے۔ ہاتھوں میں دوران خون تیز ہوتا ہے اگر تالیاں ہوں۔ کہ نہیں، اس کے لئے آتے ہیں انسان کی زندگی پر۔

کامیاب زندگی اپنے آپ پر اعتماد کے بغیر ممکن نہیں۔ انسان کی خودی اور اعتماد اس کی زندگی کا جوہر ہے۔ ہر انسان کے لئے اس کی خودی کا احساس اور اعتماد اُسی طور ناگزیر ہے جس طور سانس لینے کے لئے آکسیجن ناگزیر ہے۔ ہمارے قول وفعل میں جان پڑتی ہے اور ہمارا اعتبار قائم ہوتا ہے تو اعتماد سے ہماری خودی اور اعتماد ہی تو ہے جس کی بدولت کوئی بھی انسان کسی بھی صورتِ حال میں ہمت ہارے بغیر مایوس ہوئے بغیر اپنی صلاحیت کو بروئے کار لانے کے قابل ہو پاتا ہے۔

عقل وفکر کا مالک انسان یہ شعور بھی رکھتا ہے کہ کیا کچھ اس کے مقصدِ حقیقی کے مطابق ہے اور کیا کچھ اس کے خلاف۔ حقیقتِ واقعی تو یہ ہے کہ کارگاہِ حیات میں وہی کامیاب ہوا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ (91:9) جس نے اپنے مادی وجود کو تقویٰ کو بنیاد بنا کر با مقصد وجود کے تابع رکھا اور جس نے اس کے الٹ کام کیا، اور اپنے مادی وجود کی دیکھ بھال میں لگا رہا وہ اس کارخانۂ حیات میں ناکام رہا۔

اب آخر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ انسان خالقِ کائنات کے پروگرام کے مطابق بلند خودی اور اعتماد کے سہارے اللہ کی مقصدیت کو اپنی مقصدیت بنانے کا پابند ہے۔ اسے نہ صرف رسول امّی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں صادق وامین بننا ہے بلکہ الملک، قدوس، سلام، مومن، مھیمن، عزیز، جبار اور متکبر کی سی خدائی ان صفات پر غور کرنا، انہیں پرکھنا سمجھنا اور اپنانا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ رزاق ہے تو تم رازق بن جاؤ، برابری کی بنیاد پر معاشرہ کی تشکیل کی ذمہ داری لے لو کہ یہی مقصودِ فطرت ہے۔

علامہ اقبال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا خدا کا ترجماں ہو جا

اللہ تعالیٰ نے کُن کہا فَکَانَ۔۔۔ کائنات وجود میں آ گئی۔ اقبال کہتے ہیں کہ اے مسلمان تُو تو کُن فکاں یعنی تخلیق وایجاد کا راز ہے۔ اس راز کو اپنا مقصدِ حیات بنالے۔ تو اس راز کو جان لے گا تو خدا کے ''تخلیق مشن'' کا کارکن بن کر بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے!

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تصنیف، دوقومی قرآنی نظریہ پر قیام

مملکتِ اِسلامیہ کا مقصد کا جائزہ پر مصنف کا تبصرہ

(یہ مقالہ کنونشن کے موقعہ پر پڑھا گیا)

مجھے فون پر نیشنل بک فاؤنڈیشن کی مجاز اتھارٹی کی طرف سے مطلع کیا گیا کہ میری اشاعت کے لئے دی گئی تصنیف کا مینجنگ ڈائریکٹر کی ہدایت پر جائزہ لے کر مجھے بجھوائی جارہی ہے۔ یہ جائزہ رپورٹ 31 نکات پر مشتمل ہے، جس کے پہلے نکتہ کا خصوصی طور پر وضاحت سے اور بقایا کا عمومی جائزہ لے کر درجِ ذیل تبصرہ بجھوایا جارہا ہے۔

''میری کتاب کے باب: 1 مقدمہ، ص 1, پیراگراف نمبر 2 کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِس زیرِ جائزہ کتاب پر غلام احمد پرویز کے افکار و نظریات کا غلبہ دِکھائی دیتا ہے۔ اہلِ علم بخوبی آشنا ہیں کہ غلام احمد پرویز منکرینِ حدیث میں سے ہیں۔ موصوف اہلِ قرآن میں سے ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ واصحابہٖ وسلم کی سُنت کو اِسلامی شریعت کا ماخذ تسلیم نہیں کرتے، صِرف قرآن مجید کو ماخذ مانتے ہیں''۔

معترض کے اِسی پہلے اعتراض کا جائزہ لینے کے لئے مناسب ہوگا کہ میری تصنیف کے زیرِ تبصرہ پیراگراف کا متن ملاحظہ کرلیا جائے، جو یوں ہے کہ

''مُحرک ہونے میں میری دوقومی قرآنی نظریہ اور نظریۂ پاکستان کے موضوعات سے وابستہ ایک ادارہ کی وجہ سے بھی آسانی رہی ہے۔ یہ ادارہ قائداعظم کی ہدایات پر نظریہ پاکستان کا پرچم 1938ء ہی سے اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے ہے۔ مجھے اس ادارہ کی فِکر سے آزادانہ رسائی حاصل رہی ہے۔ اِسی ادارہ کی سرپرستی میں ایک ماہنامہ رسالہ 1938ء سے شروع ہونے کے ہر مہینہ کے شمارے میں مکتبِ مُلا کے نظریہِ پاکستان پر اُٹھائے گئے اِعتراضات کا جواب دیا جاتا تھا اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

نظریۂ پاکستان کی تحریک سے قریبی وابستگی کی بِنا پر بانیٔ ادارہ علامہ غلام احمد پرویز کو 1989ء میں حکومتِ پنجاب کی طرف سے گولڈ میڈل عطا کیا گیا۔ سرٹیفکیٹ میں اس امر کی بھی تصدیق کی گئی کہ علامہ پرویز 1937-38 سے حضرت قائد کی تحریکِ پاکستان کی دینی اساس کے موضوع پر ذاتی مشیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہیں۔ اِس حقیقت کی بھی تصدیق کی کہ یہی وہ واحد شخصیت ہیں، جنہیں حضرت قائدِ اعظم کی طرف سے اپنے عملہ کو پیشگی وقت لیے بغیر کسی بھی وقت باریابی ہونے پر سہولت دینے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اِس سرٹیفکیٹ کی موجودگی میں اُن کی ذات کو نظریہ پاکستان کے حوالہ سے پیش کی گئی

وضاحتوں کو سند کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے''۔

اِس اقتباس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مَیں نے مُحرک ہونے کا محترم پرویز صاحب کے بانیانِ پاکستان کے نظریہِ پاکستان کے اِبلاغ کی خِدمات بجالانے کے حوالہ سے کیا ہے۔ محترم تجزیہ نگار نے میرے مُحرک کا باعث اُن کی شخصیت پر چسپاں کر دیا۔ تجزیہ کار کے عِلم کے لئے عرض کرنا چاہوں گا کہ قرآن اپنی فِکر میں کسی شخصیت کی فِکر کو شریک کرنے کے عمل کو شِرک قرار دیتا ہے۔ حیرت کا باعث ہے کہ غلام احمد پرویز کے نظریہِ پاکستان کی حمایت میں دلائل پیش کرنے کے موقف کا مُحرک ہونے پر موصوف نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ البتہ اُنہوں نے مذہب کے حوالہ سے غلام احمد پرویز کو فرقہ اہلِ قرآن سے منسلک اور منکرینِ حدیث کے لیبل سے منسوب کر کے میری تصنیف پر اعتراضات کئے ہیں۔ اُنہوں نے اہل قرآن کے متعلق صحیح تحریر کیا ہے کہ وہ صِرف قرآن مجید کو مآخذ مانتے ہیں۔ اِس لئے کہ وہ قرآن میں دئے گئے اصولوں کے علاوہ جُزئیات بھی قرآن سے نکالنے کی مشق کرتے رہتے ہیں۔

محترم پرویز صاحب کے اہلِ قرآن ہونے کا دعٰوی کا ذکر مَیں یونیوسٹی کے نصابی ہدایت کی کُتب میں پڑھتا رہا ہوں، البتہ تحقیق کرنے پر یہ بات سامنے آئی کہ غلام احمد پرویز سب سے پہلے سکالر تھے، جنہوں نے محترم عبداللہ چکڑالوی اور اہلِ قرآن کے افکار کی مذمت کر کے لوگوں کو اِس کے مضمرات سے آگاہ کیا۔ وہ تمام عمر اِس کے خلاف بولتے اور لکھتے رہے۔ بہتر ہوتا کہ تجزیہ نگار نے یہاں اہلِ قرآن فرقہ کے ایک آدھ عقائد سے بھی آگاہ کر دیتے، تو ہمارے عِلم میں آجاتا کہ وہ قرآن سے تین نمازیں ثابت کر کے اُنہی کی ادائیگی پر زور دیا کرتے تھے۔ دیکھا جائے تو موصوف کے دعوٰی کے باطل ہونے کی تائید اسی بات سے ہو جاتی ہے کہ محترم غلام احمد پرویز بچپن سے وفات تک متواتر اور باقاعدگی سے پانچ نمازیں پڑھتے رہے ہیں۔ یہاں تجزیہ نگار کی حیثیت مدّعی کی ہے اور بارِ ثبوت مدعی پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اُنہیں غلام احمد پرویز کا کوئی ایک آدھ بول یا لکھا ہوا لفظ فرقہِ اہلِ قرآن میں ہونے کا منطقی ثبوت میں پیش کرنا لازمی ہوگا۔ یہاں اگر مدعی ثابت نہ کر سکے تو دعوٰی جھوٹا قرار دیا جائے گا اور بصورتِ دیگر ثبوت مہیا ہو جانے کی صورت میں پرویز صاحب کے اہلِ قرآن کی مذمت کرنے کا میرا دعوٰی کذب میں شامل ہوگا۔ ایسی صورتِ حال میں قرآن کا فیصلہ ہے کہ

لَّعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ (3:61)

جھوٹ بولنے والے اللہ (قانونِ خداوندی) کی طرف سے لعنت کے سزاوار ہوتے ہیں۔

ہمارے ہاں لعنت کا لفظ بطور گالی استعمال ہوتا ہے، لیکن عربی زبان میں اِس کے معانی دور/محروم کر دینا ہوتا ہے۔ قرآن کی اِس ہدایت کا منطقی طور پر یہاں اِطلاق یوں ہوسکتا ہے کہ میرے کاذب ثابت ہونے پر جائزہ کار کے مطالبہ کی پاسداری کرتے ہوئے کتاب کی اشاعت سے مجھے دور/محروم رکھا جائے۔ دوسری صورت میں میرے مطالبہ پر متعصب ہونے کی وجہ سے جائزہ کار کے دعوٰی اور شہادت کو قبولیت کے اہل نہ سمجھا جائے. میری اپنی بھی یہی خواہش ہوگی کہ کاذب ہونے کی صورت میں کتاب کی اشاعت سے دستبردار ہو جاؤں، جِس کے متعلق مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ کے بورڈ کے ممبران نے اِس کی اشاعت کے لئے متفقہ طور پر منظوری دی ہوئی ہے۔

مجھے آپ ہی کے متعلقہ نمائندے نے بتایا کہ چونکہ آپ کی تصنیف کا مذہب سے تعلق ہے، لہٰذا ہم اِس کو مزید جائزہ کے لئے مذہبی ادارہ کی کلیئرنس کے لئے بھجوا رہے ہیں۔ میری تصنیف کا مذہب سے تعلق جوڑنے کے متعلق سکریٹری بورڈ کے دفتر اور اُن کی موجودگی میں میری طرف سے دلائل پیش کرتے ہوئے کتاب کے مذہبی ہونے کی بھرپور مخالفت کی گئی۔ اِس ضِمن میں میری طرف سے آپ کو 4 جولائی 2022 کو بذریعہ خط بھی مطلع کیا گیا تھا کہ

ڈاکٹر انعام الحق کی یہ تصنیف بعنوان دوقومی قرآنی نظریہ پر قیامِ مملکتِ اسلامیہ کا تعلق، آپ کے فراہم کئے گئے فارم میں درج سیاست، سوشل سائنس، اور ریفرنسز سے وابستہ ہے۔ کتاب میں مستند ریفرینس سے بنیادی طور پر مملکت اور اِس میں بھی اِسلامی مملکت کے تصور پر ریفرینس کے ساتھ مکمل اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ قرآن نے اِس تصور کو مذہب کے نام پر نہیں، بلکہ دین الاسلام کے نام سے پکارا ہے انگلش زبان میں دین اور مذہب دونوں کے لئے ایک ہی لفظ (Religion) استعمال ہوتا ہے۔ اسلامی مملکت کے مذہبی مفہوم کے متبادل قرآنی اصطلاح دین الاسلام کے تقاضے درجِ ذیل وجوہات کی بِنا پر مذہبی رویوں سے متضاد ہیں۔

الاسلام میں مذہب اور دین کی روش کا تقابلی جائزہ:

1۔ مذہب، خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق اور داخلی تجربہ کا نام ہے۔ جبکہ دین اِجتماعی نظام زندگی اور خارجی حقیقت ہے۔

2۔ مذہب میں ہر فرد اپنے طور پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کا خدا کے ساتھ رشتہ قائم ہو گیا ہے۔ جبکہ دین میں اِس کی موضوعی حیثیت نہیں ہوتی بلکہ معاشرہ کا انداز اور آئین میں شامل دفعات کے تعلق سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

3۔ مذہب میں ہر فرد کا منتہیٰ اپنی اپنی نجات ہوتا ہے۔ جبکہ دین کا مقصود عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود ہوتا ہے۔

4۔ مذہب میں کوئی خارجی معیار ایسا نہیں ہوتا جس سے پرکھا جا سکے کہ انسان کے اعمال صحیح نتائج پیدا کر رہے ہیں یا نہیں۔ جبکہ دین میں اجتماعی زندگی کے نتائج ساتھ کے ساتھ بتاتے چلے جاتے ہیں کہ ملت صحیح راستے پر چل رہی ہے یا نہیں۔

5۔ مذہب انسان کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیتا ہے اور اس میں ہر فرقہ اپنے آپ کو حق پر سمجھ کر خوش ہوتا ہے۔ جبکہ دین میں تفرقہ کو شرک کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ پوری نوعِ اِنسانی سے مخاطب ہوتا ہے اور اس کا رب، رب العالمین اور رسول رحمۃ للعالمین کا مقام رکھتے ہیں۔

6۔ مذہب عوام کے جذبات کے پیچھے چلتا ہے اور ان کی تسکین کا سامان فراہم کیے چلا جاتا ہے۔ اس لیے مذہب کی تعلیم کا تقاضہ ہوتا ہے کہ:

زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز

اس کے برعکس دین، انہیں حقائق کے پیچھے چلاتا ہے اور ان کے سطحی جذبات کی تسکین کی بجائے ان پر قابو پانے کی تعلیم یوں دیتا ہے۔

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

7۔ مذہب انسان کے دل میں ہر وقت خوف پیدا کرتا رہتا ہے اور اپنی ہر بات ڈر سے منواتا ہے۔ اِس کے برعکس دین خوف کو شرک قرار دیتا ہے اور انسان کے دل کو جرأت اور بے باکی کا مسکن بناتا ہے۔

8۔ مذہب کشمکش حیات سے فرار سکھاتا ہے۔ دین زندگی کے حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے۔

9۔ مذہب تقدیر کے بہانے انسان کو بے عمل بنا دیتا ہے جبکہ دین، اسے تقدیر شکن قوت عطا کر کے، حرکت و عمل کا شعلۂ جوالہ بنا دیتا ہے۔

10۔ مذہب خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات کا نام عبادت رکھ کر انسانوں کو خود فریبی میں مبتلا رکھتا ہے۔ دین، اسے وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل کا پیغام دیتا اور نظامِ خداوندی کو دنیا کے ہر نظامِ باطل پر غالب کرنے کو عبادت کی غایت بتاتا ہے۔

11۔ مذہب، کائنات کی ہر حسین شے پر منہ بسورنا اور نعمائے خداوندی سے اجتناب سکھاتا ہے۔ جبکہ دین قرآن میں اعلان کرتا ہے کہ وہ کون ہے جو زیب و زینت کی ان چیزوں کو حرام قرار دے سکتا ہے، جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے۔

12۔ مذہب ہر جدت (نئی چیز) کو گناہ قرار دینے تک لے جاتا ہے۔ جبکہ دین کہتا ہے کہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (55:29) زندگی کے تقاضے ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں اس لیے جدت طرازی عین تقاضائے حیات ہے۔

13۔ مذہب اپنے پیغام کے حق کی دلیل میں اسے اسلاف کا مسلک قرار دے کر بطور سند پیش کرتا ہے۔ ان کی طرف سے پیش کردہ عقائد پر ایمان بلا علم و دلیل لانے پر زور دیا جاتا ہے۔ جبکہ دین انسان کی علمی اور عقلی صلاحیتوں کو جلا دینے کا موجب اور اسلاف کے مسالک کی بلا دلیل پیروی سے منع کرتا ہے۔ وہ اپنے ہر دعویٰ کو دلیل اور برہان سے پیش کرتا ہے اور عقل و تدبر سے کام لینے کی تاکید بھی کرتا ہے۔

14۔ مذہب کا تصور مفاد پرست انسانوں کے ذہن کا تراشیدہ ہے۔ ان میں سبھی ملوکیت (فرعون) سرمایہ داری (قارون) اور مذہبی پیشوائیت (ہامان) کے نمائندے باہمی اشتراک سے دوسروں کی محنت سے کمائی پر عیش کی زندگی بسر کرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز حیلے تراش لیتے ہیں۔ وہ خود بھی مترفین بن کر دوسروں کو محکوم بنا لیتے ہیں۔ دین مذہب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزادی کی دعوت دیتا ہے کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو اپنا محکوم اور اطاعت گذار بنائے۔ اطاعت صرف خدا (اس کے قوانین) کی جا سکتی ہے اور یہ قانون سب کے لیے برابر ہونے کی وجہ سے تمام نوع انسانی کے لیے مساوات کا پیغام رکھتا ہے۔

مجھے آپ کے دفتر سے سکریٹری صاحب کی موجودگی میں متعلقہ آفیسر نے یقین دلایا تھا کہ آپ کی کتاب کا جائزہ لینے کے لئے مکتبِ مُلا کے کسی نمائندہ کا انتخاب نہیں کیا جائے گا، لیکن جانے یا انجانے میں شاید کسی خوف کی وجہ سے اُسی فِکر کا انتخاب ہو گیا۔ اُن کے مکتبِ فِکر سے گہرے تعلق کا اندازہ اُن کے تجزیہ کے سرسری مطالعہ سے ہو جاتا ہے۔

جائزہ کار میری کتاب میں مکتبِ مُلا کی اصطلاح کے ذکر کرنے پر اپنی مایوسی کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے نظر آ رہے

ہیں، جواُن کے دعوٰی کے مطابق قبل ازیں کبھی کسی نے ایسی اصطلاح کا ذکر نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جائزہ لیتے وقت کتاب کے عنوان مقدمہ کے مطالعہ ہی سے تجزیہ کیا گیا ہے، ورنہ کتاب میں علامہ اقبال کے حوالہ سے یہ اصطلاح کئی دفعہ متعارف کرانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اُن میں ایک کا ذکر اُن کے کلام میں یوں ملتا ہے۔

مکتبِ مُلا و اسرارِ کتاب　　کُورِ مادر زاد و نورِ آفتاب

اسرارِ قرآن کے بالمقابل مکتبِ مُلا کی کیفیت یوں ہے جیسے کہ سورج کی روشنی میں مادرزاد اندھے کی ہوتی ہے۔ یہاں مادرزاد اندھے سے مراد عقل کے اندھے ہی ہوسکتی ہے۔

مجھے تھیوکریسی/ پیشوائیت کی جگہ یہ اصطلاح زیادہ پسند آئی اور اسی کو اپنی تصنیف میں بار بار استعمال کیا ہے، ورنہ علامہ اقبال نے متعدد القابات سے نوازا ہے، جو دُہرائے جانے سے مکتبِ مُلا کے ہاں مایوسی میں اضافہ ہی کا باعث بنے گا۔ مَیں یہاں معزز تجزیہ نگار سے گزارش کروں گا کہ وہ عصرِ حاضر کے قرآن کے جیّد سکالر ہیں اور اُنہیں علامہ اقبال کی تحریرات کے مطالعہ سے سیکھنے کے لئے بہت کچھ حاصل ہوگا۔ وہ سمجھ سکیں گے کہ علامہ اقبال اسلام کو مذہب کے حوالہ سے نہیں، بلکہ بطورِ دین مطالعہ کرنے پر متواتر اصرار کیوں کرتے رہے ہیں۔

دوسرا منکرینِ حدیث ہونے کا اعتراض:

سُنتِ رسول کے ضِمن میں قرآن کی ہدایت ہے کہ اسوۂ/ سُنتِ رسول ہماری زندگی گزارنے لیے لئے بطور ایک نمونہ ہے۔ قرآن میں رسول کے اسوۂ حسنہ کے اظہار میں بیان کردہ متعدد آیات ملتی ہیں، جن سے موازنہ کر کے سُنت میں اختلافات پیدا ہونے کا امکان نہیں رہتا۔ اِس صورت میں روایات پر مبنی بغیر کسی لکھے ہوئے ریکارڈ کے احادیث کو شامل کرنے سے پہلے قرآن میں دیے گئے اسوۂ حسنہ کے متن سے موازنہ کرنا لازمی ہوگا۔ اِس ضِمن میں ہر وہ روایت جو قرآنی متن کے منافی ہو، سُنت کے بنیادی مآخذ میں شامل ہونے کی اہلیت کھو بیٹھتی ہے۔ لہٰذا روایتی احادیث کو غیر مشروط سنت کے درجہ میں رکھنا سبھی علماء کبار کے لیے قابلِ قبول نہیں ہے۔ قرآن کریم نے علم یعنی حقیقت کی آگاہی کے لئے اسلاف کی تقلید کی جگہ پیشگی شرط عَلٰی بَصِیۡرَۃٍ پر رکھنے کی رکھی ہے۔

قُلۡ ہٰذِہٖ سَبِیۡلِیۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ ۟ عَلٰی بَصِیۡرَۃٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیۡ (12:108)

کہو: یہی میری (رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی) راہ (سنت) ہے کہ میں تمہیں اللہ کے کلام کی طرف دعوت علی وجہ البصیرت دیتا ہوں، اور جو میرے متبعین ہیں، وہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

قرآن کی رو سے جو عَلٰی بَصِیۡرَۃٍ سے کام لیتے ہیں، وہ وہی ہیں جو یعقلون، یعلمون، یشعرون، یتفکرون اور یوقنون وغیرہ ہیں۔

ہمارے اسلاف کے مُستند ترین اصولین احادیث علماء نے متفقہ طور پر احادیث کے صحیح یا باطل ہونے کے لیے درجن بھر شرائط عائد کی ہوئی ہیں۔ اِن کے ناقابلِ قبول ہونے میں بنیادی اور پہلی شرط احادیث کے قرآنی تعلیمات کے منافی

ہونے کی ہے۔ لہٰذا اُن کا مؤقف یہ ہے کہ ہم صحاحِ ستہ اور بعض کے نزدیک صحیحین میں درج اُنہی احادیث کو ہی صحیح قرار دے سکتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہوں یا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کبار رضی اللہ عنہم اجمعین کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو، جن کے مومنینِ حقاً ہونے کی قرآن شہادت دے رہا ہو۔ لہٰذا منطقی طور پر تو ہمارے لیے واجب ہو جاتا ہے۔ کہ ہم اُن احادیث کو بطورِ سُنت خارج کر دیں جو قرآن کے منافی ہوں۔ غلام احمد پرویز کا بھی سو فیصد یہی واضح موقف ہے۔

احادیث کی کتابیں ہر ایک کے لئے محسوس طور پر بھی ہر جگہ موجود ہیں، لہٰذا منطقی طور پر اِن کے وجود کے انکاری ہونے کا الزام لگانا تو ایک طرف، بلکہ اس کا تو سوچا جانا بھی کسی ذی حواس کے لئے ممکن نہیں ہو سکتا۔ غلام احمد پرویز کی رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری پر دو اہم بالترتیب معراجِ انسانیت اور شاہکارِ رسالت کُتب میں سینکڑوں کی تعداد میں احادیث درج ملتی ہیں۔ میرے مطالعہ کی رُو سے فرق یہ ہے کہ غلام احمد پرویزؒ اِن اصولوں کے سختی سے عملدرآمد کرنے کے پابند ہیں اور ائمہ سلف نظریاتی طور پر اِن اصولوں کا ذکر کرنے پر ہی اِکتفاء کرنے پر زور دیتے ہیں۔

ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی خلافت کے بعد ملوکیت کے دور ہی سے مذہبی روش اپنا کر پیشوائیت کی مدد سے الحق کو مشکوک بنا کر اِس کی جگہ خارج سے لے کر استحصالی نظام کی عملداری کرائی گئی تھی۔ اِسی کی تائید میں کُفار کی خواہش ہوتی تھی کہ لوگ قرآن کے پیغام پر توجہ نہ دے سکیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (41:26)

اور جو لوگ قانون خداوندی سے انکار و سرکشی برتتے ہیں، وہ اپنے لوگوں کو تاکید کرتے رہتے ہیں کہ (اپنے عقائد کو بچانے کے لئے) دیکھنا! کہیں تم قرآن کو نہ سن لینا بلکہ جہاں دیکھو کہ کوئی شخص قرآن کی بات پیش کر رہا ہے، وہاں اتنا شور مچاؤ کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے۔ اس طرح کچھ امید ہے کہ تم ان لوگوں پر غالب آ سکو۔

آج بھی مکتبِ مُلا کی روش سے دین کے نفاذ میں قرآن کی آواز سننے کے لئے کوئی تیار نہیں۔ قرآن نے وضاحت سے تنبیہ کی ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ (2:159)

''جو لوگ اسے (بیان کو) چھپاتے ہیں، جو ہم نے کھلی کھلی باتوں یعنی ہدایت سے نازل کیا ہے، بعد اس کے کہ ہم نے اسے قرآن میں تمام لوگوں کے لئے ظاہر کر دیا ہے، تو ان لوگوں پر خدا کی لعنت اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے''۔

مکتبِ مُلا کی اِس روش نے قرآن کو خود بطور کلامِ الٰہی ہی مشکوک بنا دیا ہے۔ قرآن کے مقام کی اہمیت علامہ اقبال نے سید سلیمان ندوی کے نام اپنے ایک خط میں یوں واضح کی ہے کہ

''قرآن کامل کتاب ہے اور یہ خود اپنے کمال کی مدّعی ہے، لیکن ضرورت ہے کہ اِس کے کمال کو عملی طور پر ثابت کیا جائے کہ سیاساتِ انسانیہ کے لئے تمام ضروری قواعد اس میں موجود ہیں، اور اِس میں فلاں فلاں آیت سے فلاں فلاں قواعد کا استخراج ہوتا ہے''۔

علامہ اقبال ہی کا شاہ ولی اللہ دہلوی کی تائید میں موقف ہے کہ پیغمبرانہ طریقِ تعلیم یہ ہوتا ہے کہ رسول کے احکام ان لوگوں کے عادات واطوار اور رسوم ورواج کو خاص طور پر ملحوظ رکھتے ہیں جو اُن کے اولین مخاطب ہوتے ہیں۔۔۔اور چونکہ اِن احکام کی ادائیگی بجائے خویش مقصود بالذات نہیں ہوتی انہیں آنے والی نسلوں پر من وعن نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ اِس ضِمن میں علامہ اقبال اِس مُشکل مرحلہ سے نکلنے کا حل بتاتے ہوئے خطبات ہی میں اعلان کرتے ہیں کہ:

''مسلمانوں کو موجودہ اُلجھاؤ سے نکالنے کے لئے ایک ایسے جرأت مند قلب کی ضرورت ہے جو عمر رضی اللہ عنہ کی روح کو لئے ہوئے اُٹھے اور اس کا اعلان کر دے کہ:

حَسبُنَا کِتَابُ اللہِ

ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔

تجزیہ نگار یہ اعتراض وارد کر کے بھی اپنے مکتبِ مُلا سے وابستگی کا ہی اظہار کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں کہ واضح رہے کہ وحی کا اِطلاق صِرف قرآن مجید پر نہیں ہوتا، بلکہ احادیثِ رسولِ اکرم ﷺ پر بھی ہوتا ہے۔ دونوں میں فرق صِرف اتنا ہے کہ قرآن مجید وحی متلو (جِس کی تلاوت کی جاتی ہے) جبکہ احادیث رسولِ اکرم ﷺ کو وحی غیر متلو (جِس کی تلاوت نہیں کی جاتی) کہتے ہیں۔ یہ جمہور مسلمین کا عقیدہ ہے، اہلِ قرآن کا یہ عقیدہ نہیں ہے وہ اِس کے خلاف ہیں۔

مکتبِ مُلا کی نمائندگی میں موصوف روایتی احادث پر مبنی سُنت کو وحی غیر متلو کا درجہ دینے کا عقیدہ ایک موقف کے طور پر پیش نہیں کر رہے ہیں، بلکہ جمہور کی رائے کی آڑ لے کر اُسے بطور حق کے پیش کر رہے ہیں۔ وہ اِس علم سے بھی بے خبر نظر آتے ہیں کہ احادیث میں درج اقوال رسول کا اپنا قول نہیں ہوتا بلکہ اُن سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اَئمہ محدثین نے اُسے رسول کی سُنت کا درجہ دینے کے لئے لگ بھگ ایک درجن کے قریب شرائط عائد کی ہوئی ہیں۔ یہاں موصوف اُنہیں بِلا مشروط ہی سُنت کا درجہ دینے پر تُلے ہوئے رہ کر مکتبِ مُلا سے وابستگی کا اظہار کر رہے ہیں۔ وہ تصنیف کا تجزیہ لینے سے پیشتر کتاب کا سرسری مطالعہ ہی کر لیتے تو اُن پر یہ امر واضح ہو جاتا کہ وہ قرآن کی نفی کرنے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اِنہی کے متعلق قرآن میں تنبیہ پائی جاتی ہے کہ:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا (25:30)

اور رسول کہے گا کہ اے میرے نشوونماء دینے والے، یہی ہے میری وہ قوم جِس نے اِس قرآن کو چھوڑ کر مہجور بنا رکھا تھا۔

مہجور کا مفہوم ہے کہ اپنے خودساختہ معتقدات کی رسیوں سے، اِس طرح جکڑ دیا تھا کہ یہ آزادی سے دو قدم چلنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا (اُنہوں نے اپنے آپ کو اِس کے تابع رکھنے کی بجائے اُسے اپنے مسلک ومشرب کے تابع رکھ چھوڑا تھا۔

روایتی احادث پر مبنی سُنت کو وحی غیر متلو کا درجہ دینے کے عقیدہ میں خالص قرآن میں حدیث کو وحیِ غیر متلو کی صورت میں حُجت تسلیم کرنے کے عمل نے قرآن کے مکمل حُجت ہونے کی حیثیت کو ہی مجروح کر دیا ہے۔ ایسا موقف رکھنے والے اپنے دلائل کو قرآن کی درجِ ذیل آیات سے اخذ کرتے ہیں کہ

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ (4-53:3)

''رسول اپنے نفس سے نہیں بولتا بلکہ وہ وہی بولتا ہے جو اس پر وحی کیا جاتا ہے''۔

اِس سے مکتبِ مُلا کے دلائل میں یہی مطلب لیا جاتا ہے کہ رسول کی باتیں اپنے جذبات پر مبنی نہیں ہوتی ہیں، بلکہ ہر بات جو رسول کی زبان سے نکلتی ہے، وہ وحی ہوتی ہے، چاہے وہ قرآن میں مکتوب ومحفوظ ہو یا احادیث رسول سے منسوب بشری حالت میں دیے گئے اقوال وافعال پر مشتمل ہو۔

قرآن کا بنیادی اصول ہے کہ ہر وہ بات جو اللہ کی مجموعی تعلیم کے خلاف ہو، چاہے وہ رسول کی طرف منسوب ہو، اللہ کی الوحی کے منافی ہونے کی صورت میں قبولیت حاصل نہیں کرتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ (66:1)

اے نبی! جس چیز کو، خدا نے تیرے لیے حلال قرار دیا ہے، تو اسے اپنی بیویوں کی دلداری میں اُسے اپنے اوپر حرام کیوں قرار دو گے؟

قرآن میں رسول کی طرف سے یہ حتمی اعلان بھی وضاحت کرتا ہے کہ:

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ (6:19)

اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے کہ تم کو اس کے ذریعے آگاہ کروں اور انکو بھی جن تک یہ پہنچے''۔

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ مکمل کلامِ الٰہی الوحی کی صورت میں صِرف قرآن ہی میں مکتوب ومحفوظ ہے۔ یہ کسی بھی شکل میں خارج میں نہیں ہے۔ آگے خود رسولِ اکرم ﷺ کی زبان سے یہی بات کہلوا کر مزید وضاحت کر دی۔

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۡ (21:45)

''کہہ دے میں صرف وحی کے ذریعے (قرآن) سے آگاہ کرتا ہوں''۔

قرآن کے حوالہ سے دی گئی دوسری دلیل میں پھر روایت پرست طبقہ اپنے عقیدہِ غیر متلو کی حمایت میں قرآن کی یہ آیت پیش کرتا ہے کہ:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (59:7)

رسولِ اکرم جو کچھ تم کو دے وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے باز رہو۔ اِس آیت سے مکتبِ مُلا کے افراد خود سے یہ رائے اخذ کرتے ہیں کہ جن باتوں کی رسول تاکید کرے، اُن پر عمل کرنا اور جن باتوں سے وہ منع کرے وہاں رُک جانے کو ہم پر فریضہ قرار دیا گیا ہے۔

پوری آیت شروع ہی یوں ہوتی ہے کہ:

مَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (59:8)

رسول کے مالِ فئے کی تقسیم کے بارے میں لوگوں کو تلقین کی جاتی ہے وہ اللہ اور رسول اور قریبی اور یتیم اور مساکین اور

مسافروں کے لیے بھی ہے تا کہ دولت دولت مندوں کے گرد ہی نہ گھومتی رہے۔ لہٰذا جو رسول دیں وہ لے لو اور جو نہ دے اُس سے رُک جاؤ۔

اِس آیت کا رسول کی سبھی ذاتی و نجی اقوال کا تعلق رسول کا مالِ فے کی تقسیم سے تعلق ہے اور اِسے وحیِ غیر متلو سے جوڑنا سیاق و سباق سے ہٹ کر بلا جواز قرآن کے منافی عقیدہ پر ڈٹے رہنے کے مترادف ہے۔

حَسبُنا کتاب اللہ کے موقف پر صِرف قرآن مجید کو ماخذ سمجھنا:

تجزیہ نگار اِسی اعتراض کے آخر میں صِرف قرآن مجید کو ماخذ سمجھے پر بھی معترض ہیں۔ اِس ضِمن میں موسوم فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک جِس طرح قرآن مجید بنیاد اور حجت ہے۔ اِسی طرح سُنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی حجت ہے۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

اِس لازم و ملزوم کے منافی موقف پر میری کتاب کے بارے میں موصوف کا لکھنا تو بنتا ہی تھا کہ ستم ظریفی یہ ہے کہ صِرف اور صِرف قرآن مجید تک ساری مباحث کو محدود کر کے رکھ دیا ہے اور سُنت رسول کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ معاذ اللہ۔ ''استغفر اللہ''

مسلمانوں کی خلافت کے بعد ملوکیت کے دور ہی سے مذہبی روش اپنا کر پیشوائیت کی مدد سے الحق کو مشکوک بنا کر اِس کی جگہ خارج سے لے کر استحصالی نظام کی عملداری کرائی گئی تھی۔ میرے نزدیک ستم ظریفی یہ ہے کہ اِس استحصالی نظام میں رسول کے قول سے نہیں، بلکہ رسول ﷺ کے نام سے منسوب کر کے قرآنی تعلیم کے منافی مواد کو احادیث میں شامل کر دیا گیا۔ اس کی تحقیق میں اگر تجزیہ نگار میری تصنیف کے باب نمبر ۱ کے آخری عنوان سُنت کے ماخذ صحاحِ ستہ میں' مرد کے مقابل عورت کے مقام کو کمتر ثابت کرنے کی قرآن کے منافی روایات کی شمولیت کا مطالعہ کر لیتے تو شاید اُن کے رویہ میں تبدیلی کا امکان پیدا ہو جاتا۔ یہاں مکتبِ مُلا نے جمہور کا ناجائز فائدہ اُٹھا کر اُن کے نام کو استعمال کیا ہے'' لہٰذا استغفر اللہ کہنا یہاں ہی سجتا ہے۔ لوگوں کی اکثریت کا ایک موقف پر متفق ہو جانا جمہور کے نام سے پہچانا جاتا ہے، جِس کا یہاں تجزیہ نگار تذکرہ کر رہے ہیں۔ مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ قرآن جمہور کی اکثریت کی شہادت کے بارے میں کہتا ہے کہ

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ (10:92)

اور بے شک لوگوں کی اکثریت (جمہور) میری (اللہ کی) آیات سے غافل ہے۔

اِس لئے کہ:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (7:179)

انسانوں کی اکثریت (جمہور) کا یہ عالم ہے کہ جِن (اجنبی) ہوں یا اِنس (مانوس)، وہ زندگی جہنم (جہنمی کیفیت) میں گزارتے ہیں۔ وہ سینے میں قلب (مائینڈ) رکھتے ہیں، لیکن اِس سے سوچنے سمجھنے کا کام نہیں لیتے، اُن کی آنکھیں بھی ہوتی

ہیں، لیکن اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے وہ کان بھی رکھتے ہیں، لیکن اُن سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ اِنسان نہیں، بلکہ حیوان ہوتے ہیں، بلکہ اُن سے بھی زیادہ غافل ہوتے ہیں۔

آج بھی مکتبِ مُلا کی روش سے دین کے نفاذ میں قرآن کی آواز سننے کے لئے کوئی تیار نہیں۔ مکتبِ مُلا کی اِس روش نے قرآن کو خود بطور کلامِ الٰہی کے ہی مشکوک بنا دیا ہے۔

تجزیہ نگار میری تصنیف کی سند ڈیوی کے بیان کردہ تحقیق کے طریقہِ کار کی قبولیت پر اپنے تحفظ کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''ڈیوی کی بجائے اگر محدثین حضرات کے تحقیقی اصول وقواعد کی روشنی میں اپنی کتاب کے مواد/معلومات کو پرکھنے کی کوشش کرتے تو ایسے نتائج معرضِ وجود میں آتے جو واضح طور پر دلالت کرتے کہ مخالفینِ اسلام نے اِسلامی حقائق کو داغدار کرنے کے لئے کیسے کیسے حربے استعمال کئے ہیں۔ بالخصوص ملت اِسلامیہ کے افراد کے دلوں سے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالنے کے لئے کیسی کیسی کاوشیں کرتے چلے آرہے ہیں''۔

اُن کا یہ اعتراض واضح کر رہا ہے کہ محترم تجزیہ نگار کا اپنا ایک مذہبی ایجنڈہ ہے، جس میں وہ مکتبِ مُلا کی فِکر میں محدود و محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔ اُنہیں شاید عِلم نہیں کہ عِلم نہ شرقی اور نہ ہی مغربی ہوتا ہے۔ یہ تو الحق پر مبنی کائنات میں جاری قوانینِ خداوندی کا عِلم ہوتا ہے، جن کی دریافت کرنے کی ذمہ داری مذہبی تعصب کی قید سے آزاد تحقیق کے ماہرین علماء کا فریضہ ہوتا ہے۔ منطق کا عِلم ارسطو کے نام سے ابھی تک وابستہ ہے۔ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ منطقی قوانین اُس مغربی فِلاسفر نے بنائے تھے، بلکہ وہ کائنات میں جاری اللہ الواحد کے ہی قوانین ہوتے ہیں، جنہیں دریافت کیا گیا ہے۔ تجزیہ نگار کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ پی ایچ ڈی کے تحقیقی پروگرام میں یونیورسٹی کی جانب سے تحقیق کے میدان میں اِنہی جناب ڈیوی کو بطور مستند اتھارٹی کے طریقہ کار کو اپنانے کی ہدایت مِلی تھی۔ جناب ڈیوی کے سائنسی تحقیق اور اخلاقی یا سماجی تحقیق کے میدانوں میں درجِ ذیل اہم اصولوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔۔

1۔ تحقیق اس لیے شروع ہوتی ہے کہ کسی ایسے مسئلہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کا حل ابھی تک نہیں سوجھتا اور درپیش مسئلہ کا فیصلہ کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے زیرِ نظر مسئلہ کا پوری گہرائی سے جائزہ لے کر اسے سمجھنا چاہیے۔

2۔ زیرِ بحث مسئلہ کے سمجھنے میں پوری تسلی ہو جائے تو اس کے متعلق دستیاب مواد کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس مطالعہ سے علم حاصل ہو جائے گا کہ اس مسئلہ پر اب تک کیا تحقیق ہو چکی ہے اور کون سا پہلو ابھی تشنہ ہے۔

3۔ تحقیق کا مواد اکٹھا کر کے اس مواد اور اِس کے نتائج کی روشنی میں الگ الگ درجہ بندی کا اہتمام کرنا چاہیے۔

4۔ درجہ بندی کی مشق کے بعد مسئلہ کے ممکن حل کے متعلق کوئی مفروضہ یا مفروضے بنانے چاہئیں۔

5۔ مفروضوں سے شرطیہ جملے بنیں گے یعنی اگر یہ مفروضہ یا مفروضے ٹھیک ہوں گے تو کیا کیا نتائج نکلیں گے۔ یہاں منطق اور ریاضیات کے استعمال کی ضرورت بھی پیش آئے گی۔

6۔ ان شرطیہ جملوں میں اس امر کا حل مُضمِر ہوتا ہے، جس کو کو پرکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ آیا ان سے

نتائج نکلتے ہیں، جن کے حل کا ذکر شرطیہ جملوں میں کیا گیا ہے۔ اگر مفروضہ نتائج نکالنے کا حامل ہو تو ٹھیک، ورنہ دوسری صورت میں یہ حل نا قابلِ قبول ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں مشاہدہ اور تجربہ سے کام بھی لینا ہوگا۔ ڈیوی کے مطابق فکر کا کام صورتِ حال کا جائزہ لینا ہے جو مفروضوں کے نتائج کے حوالوں سے ہوتا ہے۔ لہٰذا خواہ مسئلہ سائنسی ہو یا اخلاقی دونوں صورتوں میں نتائج اور ثمرات کو دیکھنا ہوگا۔ نیز عصرِ حاضر کا فکر پر مبنی علم اور قرآن کریم دونوں کی یہی تاکید ہوتی ہے کہ اِنسان کو سوچ بچار کے بعد اپنے مشاہدے اور تجربے سے کام لینا چاہیئے اور اِن سے اخذ کردہ نتائج کو تسلیم کرنا چاہیئے۔ ہر شے پر بعد از تشکیک اپنی سی تحقیق کرنی چاہیئے۔ سنی سنائی باتوں پر یقین کرنا گمراہی اور جہالت ہے۔ اگر کوئی شخص آپ سے سنجیدگی سے کوئی مسلمہ اور مانی جانے والا نظریہ بیان کرتا ہے، تو اسے من وعن مان لینے کی بجائے جستجو، تحقیق اور مزید جاننے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ اگر یہ نظریہ اور اِنسانی تجربہ میں درست نکلے، تب ہی اسے ماننا ہوگا ورنہ اِس موضوع پر اپنے شکوک وشبہات کا اظہار کر دینا چاہیئے۔ اگر آپ کی تحقیق صحیح یا غلط کا فیصلہ نہ کر سکے تو مزید کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ کسی بھی فلسفی، منطقی، مصلح کی بات کو بلا چوں چرا مان کر اسے اپنا عقیدہ بنا لینے کے بجائے آغاز میں شک کا اظہار کریں۔ اور عقل کے گھوڑے دوڑا ئیے۔ غور وفکر کی عادت کو شعار بنالیں۔ ہمیں یہ ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ اگر محقق، سائنسدان اور فلسفی حضرات معاشرے میں رائج مفروضات وتصورات اور نظریات کی تنقید وتحقیق سے علم کے میدان میں آگے نہ نکلتے تب آج بھی ہم پتھر کے دور میں ہوتے۔ لہٰذا فکر کے چراغ روشن کیجئے۔ اپنی فکر کی راہ کا تعین خود اپنے تجربہ وتحقیق کی روشنی میں کیجئے۔ اس دنیا نے فکری طور پر ابھی اِنسان کو بہت آگے لے جانا ہے۔ کسی مخصوص جگہ قیام نہیں کرنا، کیونکہ ایسا ٹھہراؤ تہذیب وتمدن کی موت کے مترادف ہوتا ہے۔ اِس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ مکتبِ مُلا ابھی تک تقلید کے فرسودہ نظریات میں ہی اُلجھا ہوا ہے۔

یہاں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اِس قسم کے اعتراضات کا سامنا صرف تجزیہ نگار ہی سے نہیں ہو رہا ہے، بلکہ اِس سے پیشتر میرے پی ایچ ڈی کے مقالہ کے خاکہ پر اعتراض لگایا گیا کہ اس میں کسی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر قرآن پر ہی انحصار کرنے اور ماضی پر علم الکلام میں ہمارے جیّد علماء کی طرف سے مباحث کو نظر انداز کرنے کے رُجحان پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اِس پر مَیں نے فوری جواب دیا کہ میرے مقالہ کے خاکہ میں اِسلامی علم کی وضاحت کے عمل میں خالص قرآنی ہدایات لینے کے موقف کا عنوان باندھا گیا تھا، جس میں یہ نتیجہ اخذ کرنے کا جواز بھی فراہم کیا گیا تھا کہ قرآنِ خالص خود اپنا مفہوم خود مکمل طور پر واضح کرنے کی استطاعت رکھتا ہے۔ لہٰذا توقع کی جاتی ہے کہ تحقیق کا مدار انسان کی اپنی کاوش سے فکر وتدبر اور جدید عصری علوم کی روشنی میں کیا جانا ہی مقصودِ نظر رکھنا ہوگا۔ نہ تو علم کو کسی بھی مکتبِ فکر سے محدود کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی محروم جبکہ اس کی سند میں آپ کی طرف سے دی گئی دلیل بھی صِرف اور صِرف اُمت کو قبول ہونے کی تقلید میں بطور شرط قرار پایا جائے۔

قرآن کے طالب علم کے لیے صِرف جمہورِ اُمت کی نظر میں قابلِ قبول ہونے کی تقلید کی دلیل علمی سند قرار نہیں دی جاتی ہے۔ قرآن نے انسان کی ذاتی کاوشوں سے بلا جبر اخذ کئے ہوئے تحقیقی علم کو مستند قرار دیا ہے اور بدقسمتی سے مسلمان اُسے بھول گئے ہیں اور عصرِ حاضر میں اُسے مغرب نے اپنایا ہوا ہے۔ سلف کی تقلید سے تحقیقی طور پر الحق کی تلاش کی قرآن نے بھی ممانعت کی ہے۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْـَٔلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (2:134)

یہ اُمت تو گزر چکی ہے جو انہوں نے کیا تھا وہ اُن کے لیے ہے اور جو تم کرو گے تمہارے لیے ہے اور اُس کے متعلق تم سے باز پرس نہ کی جائے گی جو وہ کرتے تھے۔

لہٰذا قرآن کا فیصلہ ہے کہ:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا (17:36)

کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یقیناً تمہارے ذرائع علم سماعت، بصارت اور دل (ذہن) اِن سب ہی کی باز پُرس ہوتی ہے۔

مکتبِ مُلا کی تقلیدی سوچ کے بالمقابل عصرِ حاضر کا تحقیقی اور تنقیدی نکتۂ نظر غور وفکر اور تدبر کا متقاضی ہوتا ہے، جس میں علمی و منطقی دلائل سے الحق کی تلاش کی جاتی ہے۔

اِس ضِمن میں عصرِ حاضر کے مغربی نہیں، بلکہ مسلمان سکالر ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے چند اصولوں کی پابندی کرنے کی تلقین کی ہے کہ

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے فہمِ قرآن کے بنیادی فلسفیانہ اصول:

قرآن کی علیٰ وجہ البصیرت فہم کے لیے ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے اپنی تصنیف علم جدید اور قرآن میں مغربی سوچ سے علمِ جدید کی روشنی میں استفادہ کرنے والے طالب علموں کی تحقیقی اصولوں کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے تلقین کی کہ:

1۔ وہ روحِ قرآن کے ساتھ پوری پوری واقفیت پیدا کریں، جس کے بغیر قرآنی اور غیر قرآنی تصورات میں تمیز کرنا مشکل ہوگا۔

2۔ وہ مغرب کے غلط تصورات کے اصل ماخذ اور اُن کے متبعین کے طرزِ خیال وعمل سے پوری پوری واقفیت حاصل کریں۔ اِس کے لیے اُنہیں الحق کی تلاش میں عصرِ حاضر کی گئی کی دریافت کے مطالعہ پر پورا عبور حاصل ہونا چاہیئے۔

3۔ وہ علم کے تمام شعبوں، یعنی مادی، حیاتیاتی اور نفسیاتی علوم اور فلسفہ سے جو اِن علوم کو جمع کر کے ایک مکمل نظریہ کائنات کو ترتیب دیتا ہے، اس حد تک واقف ہوں کہ انکی ساری وسعت میں جہاں کہیں کوئی اسلامی تصور موجود ہو اسے پہچان کر وہ اپنی تحقیق میں شامل کر سکیں اور استخراج اور استنباط سے مزید صحیح اسلامی تصوارت کو اخذ کر کے وسعت دے سکیں۔

4۔ وہ دائرہ اسلام سے باہر چوٹی کے حکماء اور فضلاء کو ذہن میں رکھیں کیونکہ یہی لوگ ہیں جن کے قائل ہونے سے دُنیا کی ذہنی فضا سے باطل تصورات کا اثر زائل کیا جا سکتا ہے اِس سے فریضہ اِبلاغ کی بھی تکمیل کی جا سکے گی۔

5۔ وہ علمی دُنیا کے مسلّمہ حقائق سے آغاز کر کے ان قرآنی حقائق کی طرف آئیں جن کی صحت لوگوں کے نزدیک مسلّم نہیں۔ اِن کی تائید سے مؤقف میں اضافی قوت حاصل ہو جائے گی۔

6۔ کسی غلط عقیدہ کی محض نفی مخالفین کو قائل نہیں کر سکتی، جب تک کہ اس کے مقابل کے صحیح تصور کا اثبات نہ کیا جائے۔ اِس سے شک کی گنجائش نہیں رہتی۔

7۔ وہ ایک فلسفہ یا ایک فلسفیانہ خیال کی تردید کے لیے جن تصورات کو صحیح سمجھ کر کام میں لائیں کسی دوسرے فلسفہ یا دوسرے فلسفیانہ خیال کی تردید کرتے ہوئے اسے غلط قرار نہ دے کر تضاد کا شکار نہ ہوں. مغرب کے صحیح تصورات کو نہ تو رد کریں اور نہ ہی انکے غلط تصورات کو قبول کریں۔ اُن کا خالی الذہن ہو کر مطالعہ کریں۔

8۔ ہر غلط فلسفہ کے اندر وہ جن تصورات کو غلط سمجھیں اُنہیں دوسرے فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے صحیح قرار نہ دیں، ورنہ وہ اپنی تردید خود کریں گے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے عِلم کے مقصود فہم الحق کی رسائی میں مزید رہنمائی کرتے ہوئے تلقین کی کہ اُن کی تحقیق میں موقف بناتے ہوئے درجِ ذیل اصولوں کی پابندی کریں۔

1۔ وہ موقف کسی علمی صداقت کے ساتھ متصادم نہ ہو بلکہ ہر زمانہ میں تمام علمی صداقتوں کے ساتھ پوری طرح سے ہم نوا اور ہم آہنگ رہے اور جوں جوں نئی علمی صداقتیں منکشف ہوں، وہ ان کے اندر سماتی چلی جائیں۔

2۔ جس کے تمام تصورات ایک دوسرے کے ساتھ عقلی ربط وضبط رکھتے ہوں اور ایک دوسرے کی عقلی تائید اور توثیق کرتے ہوں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے جب اس کے تمام تصورات قرآن کے مرکزی اور بنیادی تصور کے نظریہِ توحید کے ساتھ عقلی طور پر منسلِک ہوں۔

3۔ جو تمام باطل فلسفوں کی موثر تردید کرتی ہو۔

4۔ جو کائنات کا ایک مکمل فلسفہ ہو اور حقیقت انسان اور حقیقتِ کائنات کے اہم مسائل کے بارے میں عملی رہنمائی کرتی نیز صداقت اور سچائی کا راستہ بتاتی ہو۔

5۔ جو علمی تصورات کی خامیوں کو آشکار کر کے انھیں پاکیزہ اور ششتہ بناتی ہو۔

6۔ جو ہمیں احکام دین کی حکمتوں اور علتوں کے پورے سلسلہ سے آگاہ کرتی ہو اور ان حکمتوں اور علتوں کا ایک ایسا تصور دیتی ہو، جس میں اندرونی طور پر کوئی تضاد نہ ہو۔

مَیں بھی اِسی سوچ کا حامی رہا ہوں، لہٰذا میری تصنیف کا مقصد بھی اِسی سوچ کی رسائی کو عصرِ حاضر کی علمی سوچ کے حامل لوگوں کے سامنے رکھنا ہے۔

تجزیہ نگار نے اپنے جائزہ کے آخر میں کتاب کی طباعت کے بارے میں رائے دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ فاضل مولف نے جس مکتبِ فکر کی نمائندگی کرتے ہوئے معلومات کو پیش کیا ہے، اِس مکتبِ فکر (اہل قرآن) کے نزدیک اِس کتاب کی اہمیت مسلم ہے، مگر جمہور علماء اسلام کے نزدیک نہیں۔ اُنہوں نے سفارش کی ہے کہ ایسی کتاب کو اِس مکتبِ فکر کا ادارہ چھاپے جو صرف قرآن مجید مآخذ ومصدر کو تسلیم کرتا ہو۔

کتاب کی طباعت سے انکار کرنے کے لئے ارشاد ہوا ہے کہ ایسی کتاب کو اِس مکتبِ فکر کا ادارہ چھاپے جو صرف قرآن مجید مآخذ ومصدر کو تسلیم کرتا ہو۔

اِس ضِمن میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ تجزیہ نگار اگر علامہ اقبال کے حَسبُنا اللہ کے موقف پیش کرنے کی فہم کا اِدراک

رکھتے تو شاید یہ رائے دینے سے اجتناب کرتے۔ پاکستان کا کوئی اشاعتی ادارہ ایسا نہیں ہے، جو علامہ اقبال کے موقف کی اشاعت ہی کو روک سکے، جبکہ اِس کی تائید بھی قرآن مجید سے ہو رہی ہو۔

حَسبُنَا کِتابُ اللہِ کے موقف کے ثبوت میں قرآنی دلائل:

قرآن میں ہے کہ:

قُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ ط (39:38)

اعلان کر دو میرے لیے اللہ (کا کلام) ہی کافی ہے۔

قرآن کریم کا موقف ہے کہ قرآنی شکل میں نوعِ انسانی کی ہدایت کا مکمل اور مفصل ضابطہِ حیات انسان کو دے دیا گیا ہے۔ لہٰذا مزید تفصیلی وضاحت کے لیے کسی دوسرے سہارے کی ضرورت نہیں رہی۔

اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتٰبَ مُفَصَّلًا ط (6:114)

یہ مُفصل کتاب تمہاری طرف نازل کی گئی ہے

تفصیل کے معنی توضیح و تشریح کے ہیں اور مفصل کے معنی واضح اور صاف، متمیّز، نکھرا ہوا کے ہیں۔ اِن دونوں آیات کا صریحاً مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم ایک واضح کتاب ہے، جس کے مطلب میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ قرآن کریم نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ:

مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (6:38)

ہم نے کتاب (قرآن) میں (دین کے بارے میں) کسی شے کی کمی نہیں چھوڑی۔

قرآن نے اپنے قوانین کے مکمل اور نا قابلِ تبدل ہونے کے دعویٰ سے حَسبُنا کتاب اللہ کے مؤقف کی تائید کر دی کہ اب اِسے اپنے بیان کی وضاحت کے لیے کسی دوسرے ذریعہ کی محتاج نہیں ہے۔ یہ قوانین غیر متبدل ہیں اور ہمیشہ ہر حال میں لاگو رہتے ہیں۔ اِنہی کی رہنمائی میں ہر مسئلہ کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔

وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ط لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ج (6:115)

اس قرآن میں خدا کا ضابطہء قوانین، تمام صداقتوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے اور عدل و توازن کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے، مکمل ہو چکا ہے۔ اب ان اللہ کے قوانین میں کوئی تغیر و تبدّل کرنے والا نہیں ہے۔

سُنت کو نظر انداز کرنے کے بارے میں محترم جائزہ کار جائزہ لینے سے پیشتر اگر میری تصنیف کے باب 15 کے آخر میں دی گئی شِق 6 اور 7 کا بغور بغیر تعصب کے مطالعہ کر لیتے تو ہو سکتا ہے کہ کم از کم اِس اعتراض سے احتراز کر لیتے۔

آئینِ پاکستان میں اللہ کی حکمرانی کے تعین کرنے میں قرآن کے ساتھ سُنت کو بھی بنیادی مآخذ قرار دے دیا گیا ہے۔ اِس شِق میں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ قرآن تو کتابی شکل میں موجود ہے، لیکن سُنت کو ڈھونڈنے کے عمل کو لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا، جسے مکتبِ مُلا کے زیرِ اثر احادیث کی مختلف کتابوں میں ڈھونڈنا شروع کر دیا ہے۔ اِس کے اثرات کا حکومت

کو کسی وقت جائزہ لے کر آئین میں دیئے گئے دونوں قرآن وسُنت کا بطورِ بنیادی مآخذِ آئین کو بے یقینی سے بچانے کے لیے آئین کے بنیادی مآخذ کو متعین لکھی ہوئی شکل میں لانا ہوگا۔

7۔ اسوہ رسول ﷺ کی زندگی ہمارے لیے نمونہ ہے، جس کی وضاحت قرآن کی مکتوب شکل میں ملتی ہے۔ قرآن میں رسول ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے اظہار میں بیان کردہ آیات کو سُنت کے درجہ میں اختلافات پیدا ہونے کا امکان نہیں رہتا۔ اِس صورت میں روایات پر مبنی بغیر کسی لکھے ہوئے ریکارڈ کے احادیث کو شامل کرنے سے پہلے قرآن میں دیئے گئے اسوہِ کے متن سے موازنہ کرنا لازمی ہوگا۔ اِس ضِمن میں ہر وہ روایت جو قرآنی متن کے منافی ہو، سُنت کے بنیادی مآخذ میں شامل ہونے کی اہلیت کھو بیٹھتی ہے۔ لہٰذا روایتی احادیث کو غیر مشروط سُنت کا درجہ میں رکھنا سبھی علماء کبار کے لیے لمحہ فکریہ ہونا چاہیئے۔

محترم تجزیہ نگار نے کوشش کی ہے کہ جو بات اُسے مکتبِ مُلا کی فِکر سے متضاد نظر آئے تو اُسے بِلا دلیل محلِ نظر اور جمہور کے کی فِکر کے خلاف ہونے کا لیبل لگا کر ہی مسترد کر دے۔ اِس ضِمن میں قرآن کی ہدایت ہے کہ:

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (2:111)

اُن کو کہو کہ اگر تُم سچے ہو تو اِس کے لئے اپنی دلیل پیش کرو۔

ہمارے عِلم میں ہے کہ مدعی کو اپنا دعوٰی دلائل سے سچ ثابت کرنا ہوگا۔ ایسا نہ کرنے سے وہ بے معانی / باطل کہلائے جانے کا مستحق ہوگا۔

طوالت سے بچنے کے لئے مَیں جائزہ کار کے پہلے اعتراض پر مُختصر تبصرہ کر رہا ہوں۔ مَیں الحق کی تلاش میں ہی رہتا ہوں اور مستند علمی حوالہ جات سے منطقی طور پر اپنی معروضات پیش کرنے کی جستجو میں لگا رہتا ہوں۔ اِس لئے مکتبِ مُلا کی مناظرانہ مباحث میں نہیں پڑتا ہوں، لیکن اگر یہاں نیشنل بک فاؤنڈیشن کی تسلی نہ ہونے پر سبھی نکات پر وضاحت ضروری سمجھی جائے، تو مجبوری پر اِس کے لئے بھی تیار ہوں گا۔ ویسے بھی بورڈ کے سیکریٹری کے آفس میں اُن کی مرضی سے محترم منصور صاحب نے یقین دلایا تھا کہ جائزہ کار کے موقف آنے پر بورڈ کا فیصلہ لینے سے پہلے مجھے جواب دینے کا موقعہ دیا جائے گا، جِس کا ابھی تک منتظر ہوں۔

ڈاکٹر انعام الحق (تحقیقی سکالر)

اِس کے بعد ریمائنڈر بھی دیا ہے، لیکن جواب کی توقع نہیں ہے۔ مجھے زبانی پیغام دیا گیا ہے کہ آپ کا ادارہ طلوع اسلام سے تعلق دکھائی دے رہا ہے۔ ہمارے تجربہ سے علم میں ہے کہ طلوع اسلام کا نام مذہبی حلقوں میں پسند نہیں کیا جاتا۔ ہم اُن حلقوں کو ناراض نہیں کر سکتے، لہٰذا مناسب سمجھ کر آپ کو نصیحت کی جاتی ہے کہ کتاب کو شائع کروانے سے بہتر ہے کہ اپنی سیکورٹی کی حفاظت کا خیال رکھیں۔

8- مذہب کشمکش حیات سے فرار سکھاتا ہے۔	دین زندگی کے حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے۔
9- مذہب تقدیر کے بہانے انسان کو بے عمل بنا دیتا ہے۔	دین' اسے تقدیر شکن قوت عطا کر کے' حرکت و عمل کا شعلۂ جوالہ بنا دیتا ہے۔
10- مذہب خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات کا نام عبادت رکھ کر انسانوں کو خود فریبی میں مبتلا رکھتا ہے۔	دین' اسے وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل کا پیغام دیتا اور نظامِ خداوندی کو دنیا کے ہر نظامِ باطل پر غالب کرنے کو عبادت کی غایت بتاتا ہے۔
11- مذہب' کائنات کی ہر حسین شے پر منہ بسورنا اور نعمائے خداوندی سے اجتناب سکھاتا ہے۔	دین اعلان کرتا ہے کہ وہ کون ہے جو زیب و زینت کی ان چیزوں کو حرام قرار دے سکتا ہے' جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے (القرآن)۔
12- مذہب ہر جدت (نئی چیز) کو گناہ قرار دینے تک لے جاتا ہے۔	دین کہتا ہے کہ کل یوم ھو فی شان۔ زندگی کے تقاضے ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں اس لئے جدت طرازی عین تقاضائے حیات ہے۔
13- مذہب اپنے پیغام کے حق کی دلیل میں اسے اسلاف کا مسلک قرار دے کر بطور سند پیش کرتا ہے۔ ان کی طرف سے پیش کردہ عقائد پر ایمان بلا علم و دلیل لانے پر زور دیا جاتا ہے۔	دین انسان کی علمی اور عقلی صلاحیتوں کو جلا دینے کا موجب اور اسلاف کے مسالک کی بلا دلیل پیروی سے منع کرتا ہے۔ وہ اپنے ہر دعویٰ کو دلیل اور برہان سے پیش کرتا ہے اور عقل و تدبر سے کام لینے کی تاکید بھی۔
14- مذہب کا تصور مفاد پرست انسانوں کے ذہن کا تراشیدہ ہے۔ ان میں سبھی ملوکیت (فرعون)' سرمایہ داری (قارون) اور مذہبی پیشوائیت (ہامان) کے نمائندے باہمی اشتراک سے دوسروں کی محنت سے کمائی پر عیش کی زندگی بسر کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز حیلے تراش کر مذہب میں شامل کر لیتے ہیں۔ خود مترفین بن کر دوسروں کو محکوم بنا لیتے ہیں۔	دین مذہب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزادی کی دعوت دیتا ہے کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو اپنا محکوم اور اطاعت گذار بنائے۔ اطاعت صرف خدا (اس کے قوانین) کی کی جا سکتی ہے اور یہ قانون سب کے لئے برابر ہونے کی وجہ سے تمام نوع انسانی کے لئے مساوات کا پیغام رکھتا ہے۔
15- مذہب اس راستے کو کہتے ہیں جو انسانوں کا وضع کردہ ہو۔	دین اس قانون یا نظام کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہو۔

اس لئے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن نے نوع انسانی کی ہدایت کے لئے دین ہی کو پیش کیا ہے اور اسے ہی اسلام کا نام دیا ہے۔ لہٰذا مسلم مذہب کی نہیں دینِ اسلام کی اطاعت کرتا ہے۔

☆☆☆

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL.76
ISSUE
01

Monthly
TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546, 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com Web: www.toluislam.org
www.facebook.com/talueislam/ www.youtube.com/idaratolueislam

یہ وہ لوگ ہیں جو اُن تمام صداقتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو (اے رسول!) تجھ پر بذریعہ وحی نازل کی گئی ہیں، اور جو تجھ سے پہلے پیغمبروں کو اُن کے اپنے اپنے وقت میں دی گئی تھیں (اور جو اب قرآنِ کریم کے اندر محفوظ ہیں) ـــــ اِن صداقتوں پر ایمان رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ صحیح تاریخی شہادتوں سے اِس نتیجہ پر پہنچ جائیں کہ اِس پروگرام پر اِس سے پہلے بھی کئی بار عمل ہو چکا ہے اور اس سے ہر بار وہی نتائج پیدا ہوئے ہیں جن کا اب وعدہ کیا جاتا ہے، اس لیے اب بھی وہی نتائج مرتب ہوں گے ـــــ وہ اِس طرح اِس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ اِس ضابطۂ خداوندی پر عمل کرنے سے ایک نئی زندگی کی نمود ہو جاتی ہے اور یوں حال کی جدوجہد سے اِنسان کا مستقبل روشن ہو جاتا ہے ـــــ وہ مستقبل جس کا سلسلہ اسی دنیا تک محدود نہیں بلکہ وہ مرنے کے بعد بھی آگے چلتا ہے۔

(مفہوم القرآن سورۃ البقرہ:4)